حضرت جی ثالثؒ کی وفات

اور

فتنوں کی برسات

تالیف

حضرت مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری

(امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ونواسۂ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ)

اهتمام و ترتیب

ڈاکٹر معراج (ایم ڈی) ریڈیولوجسٹ

وادی اسماعیل مسجد ابراہیم، دھورہ معافی، علی گڑھ، یوپی، انڈیا

ناشر

حبیب بکڈپو، نوراپارٹمنٹ، پہاسو پاؤس، علی گڑھ

نام کتاب	:	حضرت جی ثالثؒ کی وفات اور فتنوں کی برسات
تالیف	:	حضرت مولانا شاہد صاحب سہارنپوری مدظلہ العالی امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، نواسۂ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ
اہتمام وترتیب	:	ڈاکٹر معراج (ایم.ڈی) ریڈیولوجسٹ Mob: 9897616788 Email: drmeraj1960@gmail.com
صفحات	:	96
اشاعت اول	:	شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ/مطابق ۲۰/اپریل ۲۰۱۸ء
اشاعتِ دوم	:	جولائی ۲۰۱۸ء
اشاعتِ سوم	:	دسمبر ۲۰۱۸ء
تعداد	:	2100

ملنے کے پتے:

۱- ڈاکٹر معراج (ایم.ڈی) ریڈیولوجسٹ

رہائش گاہ: وادیٔ اسمٰعیل مسجد ابراہیم، دھورہ معافی، علی گڑھ، یوپی، 202002، انڈیا

سینٹر: مزمل کمپلیکس، پان والی کوٹھی کے سامنے، دودھ پور، علی گڑھ، یوپی انڈیا

۲- **حبیب بکڈپو، نور اپارٹمنٹ، پھاسو ھاؤس، علی گڑھ**

8791196492, 9068093584

فہرست عنوانات

☆ پیش لفظ 7

☆ حضرت جی ثالث کی وفات اور فتنوں کی برسات 9

☆ مولانا زبیر مرحوم کا صبر وتحمل اور سکوتِ پیہم 11

☆ خاقانی کے وہ اشعار جنھوں نے مجلس کا رخ بدل دیا 12

☆ حضرت جی ثالث کے ساتھ حقارت آمیز معاملہ 12

☆ جلوت وخلوت اور ظاہر وباطن کے مالک کے سامنے ایک گواہی 16

☆ آپؒ کے صبر وتحمل کا ایک قدیم داعی کی طرف سے اعتراف 17

☆ (۱) یہ حُبِّ علیؓ نہیں بلکہ بُغض معاویہ تھا 19

☆ جب مولانا کا صبر وتحمل جواب دے گیا 23

☆ (۲) ایک عالمی شوریٰ کی تشکیل 26

☆ اجتماع رائیونڈ ۱۵؍نومبر ۲۰۱۶ء میں جاری اعلامیہ 29

☆ حضرت مولانا سلیم اللہ خاں زید مجدہ کے نام عالمی شوریٰ کی تاریخ پر ایک مکتوب 35

☆ عالمی شوریٰ کا احترام اور اس کے فیصلوں پر آپؒ کا عمل 41

☆ (۳) منتخب احادیث بمقابلہ فضائلِ اعمال 43

☆ کتاب پر قدمائے تبلیغ کے تاثرات 47

☆ تاثرات مولانا اسماعیل گودھرا، جناب بھائی فاروق بنگلور، پروفیسر ثناء اللہ علی گڑھ، جناب خالد صدیقی علی گڑھ، پروفیسر عبد الرحمٰن مدراس، مولانا عبد الرحمٰن رویانہ وغیرہ 47

☆ تاثرات حضرت مولانا محمد یعقوب دہلی 48
☆ تاثرات حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی 48
☆ تاثرات مولانا زبیر الحسن مرحوم 50
☆ تاثرات مولانا محمد بلال کراچی 51
☆ کتاب 'منتخب احادیث' کے بارے میں ایک اہم انکشاف 51
☆ حیاۃ الصحابہ پر علماءِ مصر وحجاز کے اعتراضات اور حضرت شیخ کا دوٹوک جواب 53
☆ فضائلِ اعمال اپنا بدلہ خود لے لے گی 55
☆ رائیونڈ کی اسّی فیصد کامیاب قیادت 58
☆ (۴) حجرہ متصل مسجد اور معاہدہ کی خلاف ورزی 59
☆ تحریر معاہدہ (یادداشت) کی نقل 61
☆ روشنائی ابھی خشک بھی نہ ہوئی پائی تھی 62
☆ (۵) ایک ذیلی مجلس شوریٰ کا قیام اور اُس کا انجام 64
اس شوریٰ کے اصول وضوابط اور دائرہ عمل 65
☆ مولانا مرحوم کے تین خط اہلِ شوریٰ کے نام 66
☆ یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی 74
☆ تم کیا جانو کام کو، کام کو تو میں لے کر چل رہا ہوں 74
☆ (۶) رہائشی مکان اندرونی منظر اور اُس کی تقسیم 78
☆ حضرت جی ثانی وثالث کی باہمی رفاقت ومحبت حضرت رائے پوری کی نگاہ میں 80
☆ مولانا مرحوم کی ایک خواہش ''ہم بھی ساتھ رہیں گے'' 81
☆ دستاویزی معاہدہ اور اس کا عکس 83

☆ دوضروری وضاحتیں 86
☆ جامعہ مظاہر العلوم سے تعلق اور اس کے مفادات کی نگرانی 88
☆ حضرت مولانا سید ارشد مدنی سے تعلق ومحبت 92
☆ مدرسۃ الشیخ محمد زکریا سہارنپور سے قلبی لگاؤ اور اس کی فکر 92
☆ عالم گیر پیچیدہ فتنے کا حل اکابرین کی نظر میں 94

حضرت جی ثالثؒ کی وفات

اور

فتنوں کی برسات.....

جو درخت جتنا سایہ دار

اور

بڑا ہوتا ہے.....

پیش لفظ

بقلم: جناب حضرت مولانا شاہد صاحب سہارنپوری زید مجدہ

سال گذشتہ راقم سطور (محمد شاہد سہارن پوری) نے حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ (فرزند ارجمند حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ) کے حالاتِ زندگی کتابی شکل میں مرتب کیے تھے، اللہ جل شانہ کے فضل و کرم نیز موجودہ عالمی دعوتی و تبلیغی حالات کی وجہ سے اس کتاب کو بہت پذیرائی اور قبولیت ملی۔

کتاب میں مولانا زبیر الحسن مرحوم کی مظلومانہ شخصیت کو حالات اور واقعات کے تناظر میں بڑے مؤثر انداز میں چونکہ مرتب کیا گیا تھا اس لیے عوام وخواص اور دعوتی تبلیغی احباب نے دل جمعی کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا اور خلقِ کثیر کے دل و دماغ میں وہ غلط فہمیاں جو اس دعوتی کام اور ان کی شخصیت سے متعلق جان بوجھ کر پھیلائی گئیں تھیں ختم ہو گئیں، اور حقیقت کھل کر اور نکھر کر سامنے آ گئی۔

اس کتاب کا گیارھواں باب جو "**حضرت جی ثالثؒ کی وفات اور فتنوں کی برسات**" کے عنوان سے ہے، اپنے قارئین کے لیے بطور خاص جاذبِ توجہ اور لائقِ مطالعہ ثابت ہوا اور بہت بڑے پیمانے پر مختلف ملکوں و علاقوں میں اس باب نمبر گیارہ کو واٹس ایپ، فیس بک اور نیٹ وغیرہ کے ذریعہ دور دور تک اہلِ تعلق نے پہنچایا، اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اب محترم ڈاکٹر معراج (علی گڑھ) اس کو مزید افادہ و استفادہ کے لیے علاحدہ کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں، اللہ جل شانہ اس کو بھی زیادہ سے زیادہ مؤثر اور نافع فرمائے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب میں شامل ایک مضمون جس کا عنوان ''منتخب احادیث بمقابلہ فضائلِ اعمال'' ہے، توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں، اس لیے کہ فضائلِ اعمال کے مقابلہ میں منتخب احادیث کو لانے کا مقصد صرف اور صرف مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی عالمانہ ومحدثانہ نیز مربیانہ حیثیت کو مشکوک بلکہ مجروح کرنا ہے، ایسے نازک اور خطرات سے بھرپور موقع پر حدیث قدسی ''من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنتهُ بِالحَربِ۔'' پر بھی ہماری نظر رہنی چاہیے۔

بندہ محمد شاہد غفرلہ سہارنپوری
نواسۂ حضرت شیخ مہاجر مدنیؒ
۶/مارچ ۲۰۱۸ء/ ۱۸/جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ

حضرت جی ثالث کی وفات اور فتنوں کی برسات

۹؍محرم ۱۴۱۶/ ۹؍جون ۱۹۹۵ء میں حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کی وفات پر اس دورِ زرّیں کا اختتام ہوا جس کا آغاز حضرت مولانا محمد الیاس کے عہد مسعود میں ہوا تھا۔

اس سانحۂ وفات کے فوری بعد آپ کی متعین کردہ عالمی شوریٰ کے متعدد اراکین بشمولِ حضرت الحاج عبد الوہاب، حضرت مولانا مفتی زین العابدین اور جناب محمد افضل وغیرہ دہلی مرکزِ تبلیغ تشریف لائے۔ نمازِ جنازہ اور تدفین کے مراحل سے فارغ ہوکر ۱۲؍جون ۱۹۹۵ء/۱۲؍محرم ۱۴۱۶ھ کو ان حضرات نے اپنے اجتماعی مشورہ میں دو باتیں بہت اہمیت کے ساتھ طے کیں۔

اول یہ کہ کسی بھی شخص کو امیر مقرر نہ کرکے بنگلہ والی مسجد کے لیے پانچ افراد کی شوریٰ متعین کی اور طے کیا کہ یہ شوریٰ نوبت بہ نوبت ایک ایک ہفتہ فیصل رہ کر دعوتی و تبلیغی امور کا نظم و انتظام چلائے گی۔

دوسرے یہ کہ مرکز نظام الدین کی چہار دیواری میں سلسلۂ بیعت ختم کیا جاتا ہے، اب یہاں پر کوئی شخص کسی کو بیعت نہیں کرے گا۔

مولانا زبیر مرحوم کو اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے کہ انھوں نے حضرت جی ثالث کی وفات کے بعد عالمی شوریٰ کے اس فیصلہ کے احترام میں بیعت کرنے میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی، حالانکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تبلیغی مصلحت سے ہی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی تھی اور وقت کے بہت سے اکابر نے طالبینِ اصلاح کو آپ سے رجوع کرنے اور روحانی تعلق رکھنے پر متوجہ کیا تھا۔

انھوں نے اپنا معمول یہ بنالیا تھا کہ جب ان سے بیعت کے لیے اصرار کیا جاتا

تو وہ کہہ دیا کرتے تھے کہ والد صاحب کی بیعت ہی کافی ہے۔ اب آپ ان کے بتلائے ہوئے معمولات پر عمل کریں اور جو پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لیا کریں۔

کاتبِ سطور ان کی مجلس میں بہت کثرت سے یہ منظر دیکھا کرتا تھا کہ اہلِ دعوت اور اہلِ علم ان سے بیعت ہونے کے لیے اصرار کرتے مگر وہ یہ ہی کہہ کر انکار کر دیا کرتے تھے کہ شوریٰ کی طرف سے ممانعت ہے۔

جو درخت جتنا سایہ دار اور بڑا ہوتا ہے اور جتنی اس کی چھاؤں گھنی ہوتی ہے وہ جب کسی وجہ سے گرتا ہے تو اس کی آواز نہ صرف دور دور تک سنائی دیتی ہے بلکہ اس کے گرنے کی وجہ سے گرد و غبار اور دھول مٹّی بھی دور دور تک فضا کو مُکدّر کر دیتی ہے۔

کچھ ایسا ہی نظام اس دنیائے رنگ و بو میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبین اور روحانی صفات و احسانی کمالات سے متصف مخلصین کے لیے کر رکھا ہے کہ ان کی وفات سے نہ صرف دنیا کی فضا مُکدّر اور خراب ہو جاتی ہے بلکہ ان کی نالۂ شبی اور آہ و بُکاہ کی برکت سے فتنوں کے جو دروازے بند ہوتے ہیں وہ ان کے اُٹھ جانے سے کھل جاتے ہیں اور پھر مداہنت و منافقت کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور اندر کا کھوٹ باہر آ کر دلوں میں توڑ پیدا کر دیتا ہے۔

حضرت جی ثالث حضرت مولانا انعام الحسن بلاشبہ اس دور کے خاصانِ خدا میں سے تھے، اولیائے کبار میں ان کا شمار ہوتا تھا، اپنے وقت کے صاحبِ ارشاد شیخ تھے، دعوت اور دُعا اُن کا خصوصی وصف تھا، جلال و جمال کا سنگم تھے۔ بارگاہِ الٰہیہ سے ان کو شانِ تمکین و تمکنت عطا کی گئی تھی۔ وہ حضرت مولانا محمد الیاس کے بہترین وارث اور حضرت مولانا محمد یوسف کے سچے جانشین تھے۔ قطب عالم حضرت شیخ اور وقت کے تمام اکابر کے متفقہ فیصلہ کے مطابق انھوں نے اس وراثت اور جانشینی کی ذمہ داریاں کامل طور پر پوری کی تھیں۔

چنانچہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا کہ ان کے اُٹھتے ہی فتنوں کے بند دروازے کھلتے چلے گئے۔ یعنی!

دیوار کیا گری مرے کچے مکان کی　　یاروں نے گھر کے صحن میں رستہ بنا لیا

اور وہ چونکہ ایک عالمی امیر ہونے کی حیثیت سے عالمی کام کی سربراہی فرمارہے تھے اس لیے فتنے بھی عالمگیر شکل میں سامنے آئے۔

ان میں بعض فتنوں نے تو ایسی خطرناک شکل اختیار کی کہ مرکز تبلیغ نظام الدین کے بام ودر ہل گئے، خلوص، اخلاص اور للّٰہیت کے جنازے نکلتے ہوئے لوگوں نے دیکھے اور چشمِ بصیرت نے ان جنازوں پر مولانا محمد الیاس، مولانا محمد زکریا، مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن (رحمہم اللہ) کی ارواح مقدسہ کو روتے ہوئے پایا۔

مولانا زبیر مرحوم کا صبر وتحمل اور سُکوتِ پیہم:

لیکن دنیا نے اس وقت بھی اس کا اعتراف کیا اور آج بھی وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ ان تمام سخت اور صبر آزما حالات میں مولانا زبیر مرحوم استقامت عزم وہمت اور تسلیم و رضا کا پیکر بنے رہے اور بڑے سے بڑے ناگوار واقعہ پر بھی وہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے۔ ردِعمل کے طور پر وہ بھی بہت کچھ منصوبے بنا سکتے تھے لیکن نہیں بنائے۔

وہاں کی چہار دیواری میں ان کے والد ماجد مرحوم کے نام اور کام کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ خود مولانا زبیر مرحوم کو بھی دیوار سے لگانے کی بیحد جدوجہد کی گئی ان کے ساتھ بھرپور استخفاف کا معاملہ کیا گیا اور قدم قدم پر ان کو یہ بتلایا گیا کہ ہمارے نزدیک اس چہار دیواری میں آپ کا وجود اور عدم وجود دونوں برابر ہیں اور کل جس طرح ہمیں آپ کے والد مرحوم کی ضرورت نہیں تھی اسی طرح آج آپ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن یہ ان کا طبعی کمال اور جوہری وصف تھا کہ وہ روزانہ صبح نو بجے مرکزی شوریٰ میں بڑے اطمینان اور بشاشت کے ساتھ جاتے اور پھر وہاں اپنی ذات اور دعوتی امور و معاملات کے ساتھ ہونے والے طرزِ عمل کی وجہ سے بڑی ضیق اور انقباض کے ساتھ واپس آتے، وہ مشورہ میں ہر روز شانِ حاکمیت کا کھوکھلا اور بے مقصد نظارہ دیکھتے لیکن خاموش رہتے، بہت سے بہت یہ کر لیتے کہ کئی کئی دن مشورہ میں شریک نہ ہوتے۔

والد ماجد کی وفات کے بعد انھوں نے تسلیم و رضا کو اپنی عبادت اور سکوت و خاموشی کو اپنی عادت بنالیا تھا، وہ صبح سے شام تک مرکز میں سب کچھ دیکھتے اور سنتے تھے لیکن ہونٹوں پر لگی ہوئی مہرِ سکوت نہیں توڑتے تھے، ان کے اس عمل میں یقیناً ان کے والد ماجد کی منامی ہدایت بھی شامل تھی جس کے الفاظ یہ تھے:

''زبیر وشاہد سے کہہ دینا کہ زبان بند رکھیں البتہ یہ دیکھتے رہیں کہ کون کیا کر رہا ہے۔''

ایک مرتبہ ایسے ہی سخت حالات میں مشورہ سے فراغت پر وہ اپنے حجرے میں واپس آئے تو چہرے پر دَورانِ مشورہ پیش آنے والے احوال کا شدید تاثر تھا، اُسی وقت حضرت جیؒ ثالث کے کچھ خواص نے حجرہ میں آکر ان سے اس صورت حال پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ کہنے سننے کی اجازت چاہی، قریب تھا کہ مولانا مرحوم کی آنکھوں کے پیمانے چھلک جاتے اور ضبط کا بندھن ٹوٹ جاتا لیکن راقم سطور نے (جو اس مجلس میں موجود تھا) فوراً فارسی کے مشہور شاعر ''خاقانی'' کے اشعار پڑھ کر شرکائے مجلس کے جوش وجذبات کو نہ صرف ٹھنڈا کر دیا بلکہ مجلس کا رُخ ہی موڑ دیا تھا۔

خاقانی کے وہ اشعار آپ بھی پڑھ لیں!

قل ہواللہ کہ وصفِ خالقِ ما است　　زیرِ تبت یدا ابی لہب است

گر فرو تر نشست خاقانی　　نے مرا ننگ نے ترا ادب است

ان کی موجودگی میں ان کے سامنے ہر ہر لمحہ اُن کے والد ماجد کے ۳۲ رسالہ دور امارت کے دعوتی وتبلیغی کام کی نفی کی گئی اور ہر ہر لحظہ وہاں کے ممبر ومحراب سے یہ آواز بلند کی گئی کہ ان کے دَورِ امارت کے ۳۲ رسالہ بگاڑ کو ہم آہستہ آہستہ دُور کریں گے۔

صاحبزادہ صاحب کی جانب سے برملا تقریروں میں اعلان کیا جاتا رہا کہ مولانا یوسف تک تو یہ کام دعوتی اور تبلیغی رہا۔ بعد کے لوگوں نے اس کو تحریک بنادیا۔ [1]

عام سننے والے بھی اس جملہ میں پوشیدہ زہرناکی کو برداشت نہیں کر پاتے تھے تو

---

[1] حضرت جی ثالث کے بعد کے ابتدائی چند سالوں میں صاحبزادہ صاحب کا یہ ملفوظ اس طرح تھا کہ:

پھر مولانا مرحوم پر تو کتنی سخت گزرتی ہوگی۔ روزمرہ کی تقریروں میں ان کا نام لینا یا ان کے دَورِ امارت کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں اور ممالک غیر میں کام کے استقبال اور اس کی وسعت و مقبولیت کا ذکر کرنا ایک شجر ممنوعہ قرار دیا گیا، لیکن اللہ کے اس مرحوم بندہ نے اس پر گرم وسرد آہیں تو خوب بھریں مگر احتجاج کبھی نہیں کیا، اگر وہ ایسا کرتے تو یقیناً ایک عالم کا عالم ان کا ساتھ دیتا، کیوں کہ دنیا اندھی نہیں تھی کہ وہ حضرت جی ثالث کے کام اور مقام کا انکار کر دیتی۔

اور آپ اُس کو حضرت حق جل مجدہٗ کی بے نیازی سمجھیں یا مقامِ عبرت کہ ۳۲ رسالہ بگاڑ دُور کرنے کے دعویداروں کو حضرت جی ثالث کی بے حد وسیع وعمیق ذات اور روحانی قدروں سے مالا مال شخصیت اور صفات سے اتنی نسبت بھی نہیں تھی جتنی ذرّہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ سچ ہے: **لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور.**

اور اس کے بالمقابل گزشتہ بیس بائیس سالوں میں حضرات شیخین (مولانا محمد الیاسؒ ومولانا محمد یوسفؒ) کے لاتعداد ملفوظات وارشادات منبر ومحراب سے ایسے ایسے سنائے جا چکے کہ زیادہ تر ان کا تعلق بے صفحہ کی کتاب سے ہے، اور بطون اوراق ان سے خالی ہیں۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ ان ملفوظات وارشادات کی خوشبو مرکز کی چہار دیواری میں نہیں پھیل سکی۔

نصف صدی سے زائد جان و مال اور زندگی کھپانے والوں میں شامل مولانا

''اس دعوتی کام کے دو دشمن ہیں۔ ایک شیخ کہ انھوں نے میرے دادا کی گدی مولوی انعام کو دے دی، اور دوسرے دشمن مولوی انعام ہیں کہ انھوں نے اس کام کو ایک تحریک بنا دیا۔''

لیکن بعد میں ان کو اس ملفوظ کی زہرناکی اور خطرناکی کا احساس ہو کر اندازہ ہوا کہ بیک وقت دو پہاڑوں سے ٹکرانا آسان نہیں ہے، تب انھوں نے حضرت شیخ کا حوالہ دیے بغیر صرف حضرت جی ثالث کو نشانہ بنا کر اپنا یہ ملفوظ کھُلم کھلا تقریروں میں بیان کرنا شروع کر دیا۔

اسماعیل گودھرا، مولانا عثمان کاکوسی (گجرات)، مولانا عبدالرحمٰن رویانہ، جناب فاروق بھائی بنگلور، پروفیسر خالد صدیقی علی گڑھ، پروفیسر محمد محسنؒ لکھنؤ، پروفیسر ثناء اللہ علی گڑھ، پروفیسر عبدالرحمٰن مدراس نے بھی اپنے اپنے دستخطوں سے جو طویل مکتوب'' ذمہ داران دعوت وتبلیغ اور ہمدردانِ ملت کے نام ۲۵ رشوال ۱۴۳۷ھ/ ۳۰ رجولائی ۲۰۱۶ء میں مرتب کرکے ہندوستان، پاکستان، سعودی عرب، قطر، کویت، بیلجیم، مصر، فرانس اور یمن وغیرہ کے عمائدین تبلیغ کو بھیجا تھا۔ اس میں بھی حضرت جی ثالث، حضرت مولانا محمد انعام الحسن کی شخصیت کو داغ دار اور ان کے کام اور مقام کو بے قیمت اور بے حیثیت بنانے کی اس مذموم کوشش کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

''مولانا انعام الحسن صاحب کے تیس (۳۰) سالہ دَورِ دعوت کو تنظیم کے نام سے الجھایا اور مجمع کے سامنے یوں کہا گیا کہ: ''مولانا الیاس اور مولانا یوسف صاحبان کے زمانے میں تو (دعوتی وتبلیغی) کام ہوا، بعد میں کام نے تنظیم کی شکل اختیار کرلی، جس کا مضر اثر یہ ہوا کہ عملہ کی زبان پر یہ بات آنے لگی کہ مولانا انعام الحسن ان دونوں بزرگوں کی دعوت کو سمجھ ہی نہیں سکے اور تیس (۳۰) سالہ دور برباد کردیا گیا۔''

اس نوع کے رکیک جملوں کو سن سن کر گزشتہ ۲۰/۲۲ سالہ دور میں بلا مبالغہ احباب تبلیغ کے سینکڑوں خطوط ہندوستان اور دور ونزدیک کے ممالک سے اس مضمون کے موصول ہو چکے ہیں کہ:

کیا مولانا انعام الحسن نے اپنے ۳۰ رسالہ دور امارت میں کوئی کام کی بات ہی نہیں فرمائی، اور کوئی کارآمد کام ہی نہیں کیا، حالانکہ ان کے زمانے میں کام خوب پروان چڑھا اور ان کا وجود کام کے حق میں اور کام کرنے والوں کے حق میں اتنا بابرکت تھا کہ ان کے جاتے ہی قلوب میں کمزوری اور ساتھیوں میں انتشار کا بڑھنا اور رکام والوں کے حوصلہ میں کمی کا پایا جانا روز افزوں ہے اور جس کے تدارک کی کوئی بھی شکل نظر نہیں آرہی ہے۔

دنیا بھر کے عمائدین مبلغین کی جانب سے اس مضمون کے بلا مبالغہ درجنوں

خطوط راقم السطور نے خود پڑھے ہیں اور ان میں سے متعدد محفوظ بھی کر رکھے ہیں۔

اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ برسہا برس سے مرکز دہلی میں مقیم ایک داعی و مبلغ سے کاتبِ سطور نے بڑے تأسف کے ساتھ یہ کہا کہ کبھی تو آپ اپنی تقریر میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا نام لے دیا کریں یا اُن کا کوئی واقعہ سنا دیا کریں۔

میری اس درخواست پر انھوں نے معذرت آمیز لیکن رنجیدہ لہجہ میں یہ جواب دیا تھا کہ مہینہ دو مہینہ میں ایک مرتبہ تقریر کا نمبر آجاتا ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔

یہ جواب سن کر بندہ کو ان کی معذرت قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، کیوں کہ وہ واقعہ اور حقیقت کے مطابق تھی۔

لیکن یہ بھی خدائے پاک کی شان اور ان کا غیبی نظام ہے کہ حضرت جی ثالث کے زمانے کے علماء و مشائخ اور اہلِ قلوب سب اس حقیقت کے اعتراف پر متفق اللسان رہے کہ دعوت و تبلیغ کے کام میں وسعت و آفاقیت دیتے ہوئے اپنے پیش رَو اکابر کے قائم کردہ اصول اور نقوش پر حضرت موصوف مرحوم نے پورے پورے طور پر عمل کیا، چنانچہ اس سلسلہ کی بڑی مضبوط شہادت یہ ہے کہ آپ کے دَورِ امارت کے آغاز میں جب ایک علاقہ کے لوگوں نے حُبِّ علیؓ نہیں بلکہ بغض معاویہ میں آپ کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کے برے اثرات مرکز کی چہار دیواری تک آنے لگے تو آپ نے مخزن انوار ربانیہ اور سرحلقہ عشاق محمدیہ مخدومنا حضرت شیخ سے اجازت چاہی کہ مرکز نظام الدین چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں اور وہاں حضرت مولانا سعید احمد خاں کی معیت و رفاقت میں دعوتی کام کریں۔

اس پر حضرت شیخ نے بڑے منکسرانہ لیکن مضبوط لب و لہجہ میں فرمایا کہ!

''مولوی انعام ہرگز ایسا مت کرنا، میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت مرکز میں کوئی ایسا نہیں جس میں اس کام کو سنبھالنے کی اہلیت اور صلاحیت ہو۔''

لیکن خواہشات کی غلامی کرنے والوں پر آج تک یہ حقیقت نہیں کھلی اور نہ کھل

سکتی ہے کہ اپنے خلوص واخلاص کی بنیاد پر دین و مذہب پر مر مٹنے والوں کے نام اور کام کی حفاظت خود حضرت حق جل مجدہ کی بے نیاز ذات کرتی چلی آرہی ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حقیقت یہ ہے کہ کہ وہ خود ان کے سفینہ کی حفاظت کرتے ہوئے سمندری طوفانوں کو حکم دے دیتی ہے کہ وہ اس سفینہ کو اپنی حفاظت میں لے کر کنارہ تک پہنچا دیں۔

حفاظت جس سفینہ کی انھیں منظور ہوتی ہے
کنارہ پر اُسے خود لا کے طوفاں چھوڑ جاتے ہیں

چنانچہ عالمی شوریٰ کی شکل میں یہاں بھی یہی ہوا کہ سفینہ کنارہ پر لگ گیا، ساحل سامنے نظر آنے لگا۔ شخصی نظام کے مقابلہ میں اجتماعی نظام اپنا وجود منوانے لگا۔ اور حضرت مولانا انعام الحسن کی شخصیت کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔

بہرحال عنوان تھا فتنوں کی برسات کا، چنانچہ مولانا زبیر الحسن مرحوم کے بیس سالہ دَورِ حیات میں ایسے چھوٹے بڑے سینکڑوں فتن وحوادث پیش آئے جس میں ان کے امتحانات لیے گئے، اور صبر واستقامت نے بلا اختیار ان کے پاؤں چوم لیے۔

لیکن ان میں چند ایسے بھی تھے جن کا ان پر بطور خاص کئی کئی ہفتے اور کئی کئی ماہ اثر رہا، لیکن وہ صرف یہ سوچ کر صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئے کہ مرکز اور مرکزی کام کی اجتماعیت اور دعوت کی آبرو خواہ وہ کیسی بھی مضمحل اور کمزور ہو قائم اور باقی رہنی چاہیے۔

جلوت وخلوت اور ظاہر و باطن کے ایک ایک رتی و ماشہ اور ایک ایک ذرہ پر اپنی بے پناہ گرفت رکھنے والی ذات عالی کو جو اس کائنات کے مالک وخالق ہیں اور جن کی شان ھُو الظاھر و الباطن اور یعلم مافی الصدور ہے کو گواہ بنا کر ان سطور کا کاتب یہاں یہ لکھتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی ذات کے لیے تو ایک مرتبہ بھی نہیں لیکن اس دعوتی عمل کے لیے تنہائیوں میں بارہا ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے دیکھا ہے اور جب میں ان کو تسلی وتشفی کے کلمات کہتا تو وہ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ!

شاہد! میری جان سخت ضیق میں ہے اگر کچھ بولتا ہوں تو فتنہ ہوتا ہے، اگر خاموش

رہتا ہوں تو اس کام کا نقصان ہوتا ہے، جس کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے۔

آپ کے صبر وتحمل کا ایک قدیم داعی کی طرف سے اعتراف:

دعوت وتبلیغ میں ایک قدیم عرصہ سے اپنی جان، مال اور وقت لگانے والے سعودی عرب میں مقیم ایک صاحب نے اپنا یہ واقعہ خود راقم سطور کو سنایا کہ:

''ایک زمانہ میں مجھ پر بڑے سخت حالات آئے، یہاں تک کہ میرے احباب بھی مجھ سے یکسو ہوگئے۔ جس کے نتیجہ میں اس دعوتی کام سے بھی لگاؤ اور تعلق بڑی حد تک کم ہوگیا۔ اسی دوران میرے دل میں یہ بات آئی کہ مکی حرم محترم میں جا کر خوب دعا کروں اور خوب روؤں، چنانچہ کعبۃ اللہ کا پردہ پکڑ کر میں نے دعائیں کیں۔ اُس وقت میرے دل میں بڑی شدت سے یہ خیال آیا کہ بنگلے والی مسجد، نظام الدین پہنچ کر مولانا زبیر مرحوم کے سامنے اپنے تمام احوال رکھ کر ان سے مشورہ لوں۔ چنانچہ میں نے فون پر مولانا سے رابطہ کر کے دہلی آنے کی اجازت چاہی۔ مولانا مرحوم نے بڑی خوشی اور بشاشت کے ساتھ مجھے دہلی بلالیا۔ میں پہنچا اور تخلیہ میں اپنے تمام احوال، الجھنیں، پریشانیاں اور اپنے احباب کی اپنے سے دُوریاں اور ان کی ذات سے پہنچنے والی تکلیفیں تفصیل کے ساتھ سنائیں۔ مولانا گردن جھکائے بہت غور سے میری معروضات سنتے رہے اور پھر اس کے بعد ایک ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا کہ اپنی سنادی اب ہماری بھی سنو:

اور پھر بڑے تاثر کے ساتھ حضرت جی ثالث کی وفات سے اس وقت تک پیش آنے والی تکلیف، مخالفتین اور اپنے چھوٹوں کے عناد وحسد کے واقعات ایسے درد بھرے انداز سے سنائے کہ مجھے بھی رونا آ گیا، وہ خود بھی رو رہے تھے، جب مولانا مرحوم خاموش ہوئے تو میں نے بڑے ادب کے ساتھ ان سے یہ کہہ کر معافی مانگی کہ مولانا! آپ کی تکالیف اور ان پر صبر وتحمل کے مقابلہ میں تو میری تکلیفیں اور مخالفتیں ایسی ہیں جیسے پہاڑ کے سامنے کوئی ذرہ۔ اور اصل مجاہدہ تو واقعی آپ کا ہے۔

یہ کہہ کر میں دوبارہ معذرت کر کے ان کی مجلس سے اُٹھ کر چلا آیا۔

اسی طرح اپنا ایک واقعہ جناب مجاہدالاسلام کانپوری اس طرح بیان کرتے ہیں:

''میری نظام الدین بار بار حاضری ہوتی رہی ہے، ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ: آپ سے اور حضرت جی مولانا انعام الحسن سے محبت وعقیدت کی وجہ سے نئی نئی باتوں سے طبیعت پر بہت بوجھ ہوتا ہے، بتلایئے کیا کروں؟

اس پر فرمایا کہ خاموش رہو اور دعا کرتے رہو، اسی طرح ایک مرتبہ پرانوں کے جوڑ میں حاضر ہونے پر دُعا کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ تم تو اپنی باتیں آ کر ہم سے کہہ دیتے ہو، ہمارے بڑے تو قبروں میں چلے گئے، اب ہم کس سے کہیں؟ ہمارا تو بس اللہ ہی ہے۔ یہ کہہ کر خوب روئے اور میرے ساتھی بھی سسکیوں سے رونے لگے۔''

راقمِ سطور کی طرح نامعلوم کتنے اہل قلوب اور خواص کا وجدان یہ ہے کہ اس بے پناہ صبر واستقامت کی وجہ سے ہی ان پر بارگاہ الٰہیہ سے بڑی سرعت اور وسعت کے ساتھ رحمتوں و برکتوں کا نزول اور دربارِ نبویہ سے مبشرات اور بشارتوں کا دور شروع ہو گیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم کو خواب میں کثرت کے ساتھ حضورِ اکرم ﷺ کی زیارتیں ہوتیں اور دیگر ذرائع سے پیغامات ملتے اور جن کو وہ یادداشت کے طور پر اپنی ڈائری میں لکھتے رہا کرتے تھے۔ ان میں ایک پیغام تو ایسا تھا کہ جس شخص کے دل میں ایمان کی ذرا سی بھی رمق اور حُبِ نبوی ﷺ کی تھوڑی سی بھی چنگاری ہو تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل جائے۔

اب یہاں چند ایسے ہی فتن وحوادث کا تذکرہ اس یقین کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ تاریخ مستقبل میں ان پر منصفانہ فیصلہ ضرور صادر کر کے رہے گی، کیوں کہ اُس کے بے رحم ہاتھوں سے نہ کوئی بڑا بچ سکا ہے نہ کوئی چھوٹا اور نہ کوئی حاکم اور نہ محکوم، اور آج ان کے تاریخ نگار واقعات وحقائق سے ہٹ کر خواہ کتنی ہی تاریخ سازی کر لیں، لیکن وقت اور زمانہ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا۔

(۱) یہ حُبِّ علیؓ نہیں بلکہ بُغضِ معاویہ تھا:

حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کے سانحۂ وفات کے صرف دو یوم بعد سب سے پہلا جوڑ ہریانہ پنجاب اور ہماچل پردیش کے کارکنانِ دعوت وتبلیغ کا نظام الدین دہلی میں ۱۲/۱۳/۱۴/ محرم/۱۲/۱۳/۱۴/ جون میں منعقد ہوا تھا، اور اس کے دو یوم بعد ۱۷/۱۸/۱۹/محرم/ ۱۷/۱۸/۱۹/ جون میں ہندوستان کے قدماء اور اصحابِ دعوت وتبلیغ مرکز نظام الدین میں جمع ہوئے۔ نیز ۲۸/محرم، ۲۸/جون میں میرٹھ کا اجتماع بھی ذہنی انتشار و خلفشار کے ساتھ جیسے تیسے کر کے پورا ہو گیا۔

گرم اور تند تیز ہوائیں تو اسی وقت سے چلنی شروع ہوگئی تھیں، لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، اس کی شدت اور حدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

راقم سطور چونکہ ان احوال کا مشاہدہ بہت قریب سے کر رہا تھا اور فارسی کی ایک کہاوت ''نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد'' کا بھی اندازہ تھا۔ اس لیے بہت پھونک پھونک کر قدم اُٹھا رہا تھا، چنانچہ احتیاطی تدبیر کے طور پر میرٹھ کے اس اجتماع میں ایک عامی کی حیثیت سے سہارن پور سے شریک ہو کر سہارن پور ہی واپس ہو گیا تھا۔

لیکن جب ۲/صفر/۲/جولائی شنبہ میں میوات کا سفر ہوا تو سالہا سال کے معمول کے مطابق یہ احقر بھی مولانا زبیر الحسن کی معیت میں نظام الدین مرکز سے روانہ ہوا اور اسی وقت دوسری گاڑی سے حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری بھی اسی سفر پر روانہ ہوئے۔

اور یہ شخصیت وہ تھی جن کا حضرت جی ثالثؒ لسان الدعوۃ و التبلیغ کہہ کر عربوں سے تعارف کرایا کرتے تھے، اور جن کا تعین حضرت شیخ نے کئی ہفتوں کے استخاروں اور دعاؤں کے بعد مرکز کے لیے کیا تھا۔ ابھی گاڑی تھانہ نظام الدین کے گیٹ پر ہی پہنچی تھی کہ صاحبزادہ صاحب کا غصہ اور غیض وغضب ساتویں آسمان پر پہنچ گیا اور علی الاعلان گاڑی سے اُتر کر راقمِ سطور پر خوب سَبّ وشتم کرنے لگے۔

بندہ کو حالات اور ان کی دماغی کیفیت کو دیکھتے ہوئے اسی میں بہتر ائی اور خیر نظر

آئی کہ خاموشی کے ساتھ خود بھی اتر جاؤں اور گاڑی سے اپنا سامان بھی اُتار لوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی توفیق اور ان کے دیئے ہوئے صبر وحوصلہ کے ساتھ راقمِ سطور نے اپنا سفر ملتوی کر دیا اور سامان اُتار لیا۔

مولانا زبیر مرحوم کو چونکہ اپنی ہی عزت بچانی مشکل ہو رہی تھی اور وہ حالات کے دباؤ اور ماحول کے جبر کا شکار تھے اس لیے وہ اس وقت بالکل صابر و ساکت رہے۔ اس وقت شدت تاثر سے وہ بھی اپنا سفر ملتوی کرنا چاہتے تھے، لیکن میری گذارش پر وہ میوات روانہ ہو گئے۔

مجھ سے نمٹ کر صاحبزادہ سلمہ حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری پر بَر سے، ان پر غصہ اس لیے تھا کہ ان کے لیے میرٹھ کے احباب (حافظ محمد ہارون، حافظ سراج اور بھائی امیر الدین اور حاجی رئیس الدین صاحبان) خصوصی طور پر اپنی گاڑی کیوں لے کر آئے۔

اس موقع پر حافظ ہارون صاحب کا جواب یہ تھا کہ ہم لوگ حضرت جیؒ کے زمانے سے سالہا سال سے اپنی گاڑی لے کر آ رہے ہیں اور میوات نیز قرب و جوار کے اسفار حضرت جیؒ اور مولانا محمد عمر کے ہماری گاڑیوں سے ہوتے رہے ہیں لیکن ان کے اس جواب کی کوئی سنوائی نہیں ہوئی۔ [1]

اس ڈانٹ ڈپٹ کے بعد مولانا پالن پوری بھی خاموشی سے گاڑی سے اُتر کر اپنے دو خدام کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر تمام اعذار و امراض کے باوجود اس وقت تک سڑک پر کھڑے رہے جب تک ان کے رفقاء ٹیکسی اسٹینڈ سے دوسری گاڑی لے کر نہیں آ گئے اور پھر مولانا مرحوم بھی بہت خاموشی اور مجسمۂ صبر و رضا بن کر ایک بڑے مجمع کی موجودگی میں دوسری گاڑی (ٹیکسی) میں میوات کے لیے روانہ ہو گئے۔

حُزن و قلق سے بھرپور یہی وہ لیل و نہار تھے جن میں مولانا مرحوم نے اپنے درد و

---

[1] حضرت مولانا انعام الحسنؒ کی دائری سے پتہ چلتا ہے کہ میرٹھ کے ان احباب کا اس مقصد کے لیے مرکز آمد و رفت آنے کا سلسلہ ۱۹۷۱ء میں شروع ہوا تھا۔

تاثر کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو اپنے ایک خط میں یہ الفاظ تحریر کیے تھے:

''حضرت والد صاحب کے انتقال کے بعد سے ہر وقت فکر وغم سوار رہتا ہے، پھر ۱۹/مارچ سے کولمبو، سنگاپور، انڈونیشیا، آسٹریلیا، تھائی لینڈ ان ممالک کا تقریباً ایک ماہ کا دورہ ہے۔ بہت ہی لجاجت سے ہر آن ہر گھڑی دعاؤں اور توجہات کا محتاج ہوں، امید ہے خوب دعاؤں میں یاد فرمائیں گے۔ ۲۲/رمضان سے ہمشیرہ بھی سہارن پور سے آئی ہوئی ہیں۔ حضرت والد صاحب کے حادثہ کا اثر اس پر بہت ہے، وہ بھی سلام مسنون اور دعا کی درخواست کرتی ہیں۔[۱]

اس نوع کے واقعات اس زمانہ میں بڑی کثرت کے ساتھ ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک سال بیت کر ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء کا سورج طلوع ہو گیا۔

ابھی اس نئے سورج کو طلوع ہوئے ایک ہی ماہ گزرا تھا کہ ۴/صفر ۱۴۱۷ھ/ ۲۱/جون ۱۹۹۶ء کی تاریخ اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ سامنے آ گئی اور پھر تقریباً ایک ہفتہ تک ایسے ایسے واقعات مرکز کی چہار دیواری میں پیش آئے جس نے دعوت وتبلیغ کے مستقبل اور خود مرکز کی مرکزیت پر سوالیہ نشان لگا دیا۔

اس گردشِ لیل ونہار کی تفصیلات راقمِ سطور کے روز نامچہ میں پورے صفحہ پر محیط ہیں اور اب وقت آ گیا ہے کہ ان کو بڑی احتیاط اور قدرے اختصار کے ساتھ عوام کی عدالت میں پیش کر دوں۔

ان حالات اور واقعات کے تمام کردار باوجود اس کے کہ دنیا سے پردہ کر چکے اور ان کا اعمال نامہ اللہ جل شانہ کے حضور پیش ہو چکا ہے، لیکن مختلف نزاکتوں کے پیش نظر اس کتاب میں ان کے ناموں پر پردہ ڈالا جا رہا ہے، اللہ جل شانہ وعم نوالہ ان سب کی اور ہم سب کی پردہ پوشی فرمائے۔ آمین

---

[۱] مکتوب محررہ ۲/شوال ۱۴۱۶ھ، ۲۲/فروری ۱۹۹۶ء۔ بحوالۂ تذکرہ مولانا محمد زبیر الحسن، مرتب مولانا محمود حسنی ندوی

اب روز نامچہ کی تلخیص پڑھیے:

(۴؍صفر ۱۴۱۷ھ/ ۲۱؍جون ۱۹۹۶ء جمعہ) میوات سے اطلاعات آ رہی تھیں کہ مولوی ..... اور ..... وہاں انتشار پھیلا رہے ہیں اور وہاں والوں کو مرکز آنے اور اپنے مطالبات قوت کے ساتھ پیش کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ مطالبات میں ایک اہم مطالبہ یہ بھی ہے کہ صبح گیارہ بجے والی دعا دونوں صاحبان کرایا کریں۔ ایک دن وہ اور ایک دن یہ۔[1]

دو تین دن قبل اسی موضوع پر..... کے یہاں پنچایت بھی رکھی گئی تھی اور اس میں بھی شدت پسندی تھی۔ مولانا زبیر مرحوم کی طرف سے یہ تمام اطلاعات اور وہاں سے آنے والے لوگوں کو سعد کے پاس بھیجا جاتا رہا کہ وہ اس فتنہ کو روکیں۔ مگر انھوں نے خاموشی کو مصلحت سمجھا۔

جمعہ ۴؍صفر/ ۲۱؍جون میں وہاں کے لوگوں کی آمد شروع ہوئی اور رات تک تقریباً ایک جم غفیر بستی کی ایک مسجد میں جمع ہو گیا۔ بعد عصر وہاں دو اہل علم..... کی بڑی ناصحانہ تقریر ہوئی۔ جس میں ان آنے والوں کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا لیکن ان

---

[1] یہ تو خیر سے خدام بارگاہ کی کوشش وجد و جہد تھی کہ صاحبزادہ سلمہ خود ہی بنفس نفیس اس سے قبل رائیونڈ کے اجتماع میں وہاں کی شوریٰ کے سامنے بڑی قوت کے ساتھ ان الفاظ سے یہ مسئلہ پیش کر چکے تھے کہ:

چونکہ مولوی زبیر روزانہ جماعتیں روانہ کرتے اور دعا کراتے ہیں، اس لیے لوگ ان ہی کو حضرت جی سمجھتے ہیں، اس لیے ایک دن وہ دعا کرایا کریں اور ایک دن میں خود کراؤں گا۔

صاحبزادہ موصوف برابر اس پر اصرار کرتے رہے لیکن وہاں کے اصحاب شوریٰ نے اس درخواست کو شرف قبولیت نہیں بخشا۔

اس زمانہ میں صاحبزادہ صاحب اپنے تمام معاملات و مسائل کے حل کے لیے ''رائیونڈ'' ہی کو اپنا قبلہ و کعبہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مکان کی تقسیم، بڑے اجتماعات میں مصافحے، باہر کے حجرے کا حصول جیسے معاملات انھوں نے وہاں بڑے اہتمام سے خود بھی پیش کیے اور اپنے عملہ سے بھی پیش کرائے..... مگر اب تو.....

یہ باتیں ہیں جب کی کہ آتش جوں تھا۔

کے جذبات ٹھنڈے نہیں ہوئے۔ ان آنے والوں میں سے جب کچھ لوگوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو مولوی...ان کو یہ کہہ کر روکتے رہے کہ کل بارہ بجے کی دعا سے پہلے ہرگز نہ جائیں۔

بعد مغرب جمعہ کے دن مقامی پولس حرکت میں آئی اور بستی کے چند حضرات کے ذریعہ انھوں نے مولانا..... سے کہلوایا کہ ہمارے پاس مختلف جگہوں سے مسلسل اطلاعات آرہی ہیں کہ غلط عناصر جمع ہورہے ہیں اور یہ مولوی..... کون ہے؟ ہم اس سے مل کر تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

اسی موقعہ پر مولوی..... نے مولوی زبیر مرحوم سے حافظ..... کے ذریعہ کہلوایا کہ ان آنے والوں سے کیا کہا جائے اور کس طرح کی بات کی جائے؟ مولانا زبیر مرحوم نے جواباً کہلوایا کہ اب سے تین چار ماہ قبل بھی اسی طرح مولوی..... لوگوں کو اکٹھا کر کے لائے تھے اس وقت میں نے آپ سے اپنی فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے بات کی تھی لیکن آپ نے کچھ نہیں کیا۔ اب میں کیا بتلاؤں، جو چاہے جس طرح چاہے ان سے بات کریں۔

اگلے دن (شنبہ ۵/صفر میں) یہ آنے والے اصحاب بڑی تعداد میں مشورہ میں پہنچ گئے، مولانا زبیر مرحوم اس دن فتنہ کے ڈر سے مشورہ میں نہیں گئے۔ مشورہ میں ان آنے والوں کا مطالبہ یہ تھا کہ جماعتوں کی رخصتی اور دعا کا نظام بدلا جائے۔ مشورہ میں موجود میاں جی محراب صاحب نے تین مرتبہ یہ وضاحت کی کہ عالمی شوریٰ کے مشورہ کے مطابق صبح کی دعا مولوی زبیر ہی کی طے ہے۔ پروفیسر نادر علی خاں صاحب نے بھی اس سلسلہ میں کچھ بات کرنا چاہی تو ان کو مولانا..... نے روک دیا۔ اس دن جماعتوں کی رخصتی کی ہدایات اور دعا بھی مولانا زبیر مرحوم خلفشار اور انتشار کی وجہ سے نہیں کرا سکے اور یہ دونوں کام میاں جی محراب صاحب نے کیے۔ اسی شنبہ کی صبح میں صاحبزادہ صاحب مولانا مرحوم کے پاس کوئی خط لے کر آئے تو ان کو دیکھ کر مرحوم کا ضبط و تحمل

جواب دے گیا اور ان پر بہت شدت سے گریہ طاری ہوا اور جو تقریباً دو گھنٹہ تک ایسی شدید ہچکیوں کے ساتھ رہا کہ ان کا تمام چہرہ سرخ ہو گیا۔ عزیز مولوی محمد جعفر سلمہ ابن حضرت مولانا محمد عاقل زید مجدہ بھی اس وقت ہمارے درمیان موجود تھے۔ آں عزیز نے بلند آواز میں مجھ سے کہا کہ بھائی زبیر کو تم خاموش کرو۔

راقم سطور نے صاحبزادہ صاحب کی موجودگی میں برجستہ جواب دیا کہ مولوی جعفر! تم ان کو آج خوب اچھی طرح رونے دو۔ اس لیے کہ ان کے والد مرحوم بھی تہجد میں ہچکیوں کے ساتھ روتے تھے۔ جس کی برکت سے مرکز اور اس میں ہونے والے کام کی عزت اور آبرو محفوظ تھی اب وہ نہیں رہے تو ان (مولوی زبیر) کو رونا پڑے گا اور اگر یہ رونا موقوف کر دیں گے تو دنیا بھر کے اہل باطل مرکز پر غالب آ جائیں گے۔

بہت دیر بعد جب مولانا مرحوم کو کچھ سکون ہوا تو یہ احقر بڑی مشکل سے ان کو اوپر کھانے پر لے گیا لیکن وہ دسترخوان پر بھی روتے رہے۔ کھانا نہیں کھا سکے، گریہ و بکا کا یہ منظر کو دیکھ کر شرکاء دسترخوان پر سخت تاثر ہوتا رہا اور متعدد لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

اسی شنبہ میں بعد عصر مولانا..... نے مولوی زبیر مرحوم سے اجتماع میوات میں جانے کی بات رکھی تو انھوں نے بڑی صفائی کے ساتھ معذرت کر دی۔

اتوار ۶ رصفر کی صبح کے مشورہ میں مولانا مرحوم نے شرکت تو کی لیکن وہاں بھی ان پر گریہ ہی طاری رہا اور اسی شدت گریہ میں ان کی زبان پر یہ جملے جاری ہو گئے کہ:

''تیرہ ماہ سے والد صاحب کے انتقال کے بعد سے جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے اب وہ برداشت سے باہر ہے۔ مولانا..... اس طرف کیوں توجہ نہیں دیتے۔''

اسی اتوار میں بعد عصر اجتماع گاہ سے پندرہ بیس میواتی اصحاب آئے اور بہت دیر تک مولانا مرحوم کو اپنے اجتماع میں لے جانے پر اصرار کرتے رہے اور اسی دن بعد عشاء

چھائسہ والے بھی آئے اور اپنے یہاں چلنے پر اصرار کیا مگر مرحوم نے ان کو بھی انکار کر دیا۔

اس انتہائی سنگین صورت حال کے چوتھے روز صبح کے مشورہ میں مولانا اظہار نے مولوی زبیر مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تین چار یوم قبل تو ایک گروپ کے لوگ آئے تھے اب سنا ہے کہ دوسرا گروپ بھی یہاں آنے کی تیاری کر رہا ہے۔

اس طنزیہ جملہ کی کڑواہٹ مولانا مرحوم برداشت نہیں کر سکے اور فوراً اپنی کمر تکیہ سے ہٹاتے ہوئے آگے کو بڑھ کر جواب دیا کہ:

''جی نہیں! آپ بالکل بے فکر رہیں یہاں ایک ہی گروپ آتا رہے گا۔ دوسرا بالکل نہیں آئے گا۔''

یہ مولانا مرحوم کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایسا صداقت آفریں جملہ تھا کہ اللہ جلّ شانہ نے بھی اس کی لاج رکھی کہ ہمیشہ ایک ہی گروپ سامنے آتا رہا اور اسی کے ذریعہ حق اور باطل میں واضح خط اور کھلا ہوا فرق پوری دنیا میں قائم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آج اکیس سال بعد حضرت حق جل مجدہ کی مشیت کاملہ اور قدرت تامہ نے ان باپ بیٹوں کے رونے کی برکت سے ساری دنیا میں حق اور ناحق کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچ دی۔

اس لرزہ خیز سانحہ کی تاریخ ہرگز مکمل نہیں ہوگی اگر اس کے ساتھ ذیل کا یہ تتمہ اور تکملہ نہ پڑھ لیا جائے کہ اس واقعہ کے بعد دہلی کی ایک نیم دینی اور نیم سیاسی طاقتور شخصیت نے مولانا مرحوم کو پیغام بھیجا کہ چند یوم قبل مرکز میں جو احوال آپ کے ساتھ پیش آئے، میں ان سے انتہائی رنجیدہ خاطر ہوں اور عوام وخواص کی ایک اچھی تعداد لے کر آپ سے مرکز میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔

چونکہ مولانا مرحوم پر اس وقت بھی شدید تاثر اور حزن وغم کی کیفیات طاری تھیں اس لیے انھوں نے خود جواب دینے کے بجائے زنانہ مکان سے راقم سطور کو یہ کہہ کر بلا لیا کہ ایک صاحب ایک اہم پیغام لے کر آئے ہیں تم ان سے ملاقات کر کے جو چاہے جواب دے دو۔

راقم سطور نے محض اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی توفیق اور ان کے عطا فرمائے ہوئے عزم اور حوصلے سے ان صاحب کی بات سن کر کھڑے کھڑے یہ جواب دیا کہ ہم دونوں کی طرف سے ان کو سلام کہیے اور اس محبت و تعلق کا شکریہ ادا کر کے کہہ دیجیے کہ فی الحال اس قسم کے تعاون کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بھی حفاظت فرمائے اور ہماری بھی حفاظت فرمائے۔

اس جہادِ اعظم سے فارغ ہونے کے تقریباً دو ہفتہ بعد عقل وخرد رکھنے والے کچھ تجزیہ نگاروں کی ایک مجلس دہلی میں منعقد ہوئی۔ جس میں اس ہنگامہ کے ذریعہ ''کیا کھویا اور کیا پایا'' کے عنوان سے غور وفکر ہوا۔

شرکاءِ مجلس میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے خیالات واحساسات پیش کیے، راقم سطور سے جب سوال کیا گیا تو عرض کیا کہ اس سارے قضیہ میں بندہ کے نزدیک مولانا زبیر کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ انھوں نے اپنا کوئی گروپ بننے نہیں دیا اور دوسرے کے گروپ سے وہ ذرہ برابر مرعوب نہیں ہوئے اور اپنی خاموشی سے انھوں نے مرکز کی بے بسی اور بے کسی نیز مستقبل کے عزائم اور خطرات حاضرین مجلس پر آشکارا کر دیئے۔ [1]

(۲) ایک عالمی شوریٰ کی تشکیل:

جن خوش قسمت حضرات کو حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسنؒ کا قرب حاصل رہا اور سفر وحضر میں آپ کی معیت شامل رہی، وہ سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت مرحوم اس دعوتی محنت کے مستقبل سے کس قدر متفکر رہتے اور اس کے لیے خود بھی تدابیر سوچتے اور سطح اول کے اپنے معتمد اور مخلص رفقاء تبلیغ کو بھی اس پر بار بار متوجہ فرماتے تھے۔ وہ اس خطرے سے شدید خائف رہتے تھے کہ عالمی محنت کا یہ کام مستقبل میں کہیں اپنی

---

[1] یہ تو اس جہادِ اعظم کا تذکرہ تھا جو صفر ۱۴۱۷ھ جون/۱۹۹۶ء میں وقوع پذیر ہوا تھا لیکن رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ میں پیش آنے والے سانحہ کا اگر عقل وخرد رکھنے والے آج بھی تجزیہ کریں گے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ سب کچھ کھو دیا اور کچھ نہیں پایا۔

افادیت ونافعیت نہ کھو بیٹھے اوراس کی اجتماعیت کوکسی کی نظر بدلگ کر یہ اپنے حال اور ماضی سے کٹ کر کسی دوسرے رخ پر نہ چلا جائے۔ اپنی عمومی اور خصوصی مجلسوں میں بار بار مختلف انداز اور الفاظ میں آپ اس پر متوجہ فرماتے رہتے تھے۔

آپ نے اس نوع کے خطرات سے نمٹنے اور مستقبل میں دعوتی کام کے نہج اور منہج کو محفوظ رکھنے کے لیے اس کے چاروں طرف متعدد حفاظتی حصار قائم کیے۔ چنانچہ تمام اقلیموں اور براعظموں کے بے شمار طویل طویل سفر، ہندوستان بھر میں پورے سال چھوٹے بڑے شہروں میں مسلسل آمدورفت اور اپنے اعذار وضعف طبیعت کے باوجود ان میں کیے جانے والے لمبے لمبے بیانات، ہر سال پاکستان، بنگلہ دیش اور بھوپال کے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کا اہتمام اوران میں دنیا بھر کے ممالک میں دعوت وتبلیغ کے تعلق سے پیش آنے والی مشکلات کا حل نیز حرمین شریفین اور ممالک عربیہ کے دعوتی احباب واصحاب سے رابطے، افریقہ، امریکہ اور یورپی ممالک میں کام کرنے والے احباب کو سال بہ سال ہزاروں کی تعداد میں نظام الدین مرکز بلا کران کو دعوتی مزاج کی یکجہتی اور اصحاب دعوت کو وحدتِ کلمہ اور ذہنی وفکری ہم آہنگی پر بڑی فکر وکڑھن کے ساتھ متوجہ کرنا اور دعوت کی محنت کے ساتھ دعا کا اہتمام اور دین کی عمومی محنت کے ساتھ ساتھ رات میں تضرع وعاجزی اور رجوع الی اللہ کے ذریعہ خصوصی محنت یہ تمام امور مستقبل میں کام کے تحفظ اور بقاء کے لیے بڑے قابل قدر نمونے اور آپ کے ۳۲ رسالہ دَورِ امارت کے نہ مٹنے والے نقوش ہیں۔

انہیں قابل قدر نمونوں اور تابندہ نقوش میں حضرات خلفائے راشدین کے طرز پر آپ کی وہ گراں قدر حکمت عملی بھی ہے جس کو آج ساری دنیا ''عالمی شوریٰ'' کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

حضرت جی ثالثؒ نے اپنے آخری زمانۂ حیات میں ایک عالمی شوریٰ قائم فرمائی۔ جو ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش تین ملکوں کے دس قدیم ذمہ دار اصحاب پر مشتمل تھی۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے فرزند ارجمند مولانا زبیر الحسن مرحوم کو اپنا نائب قائم مقام

اوراپنے بعدامیر جماعت تبلیغ منتخب کر سکتے تھےلیکن قرآن وحدیث،مصادرِشریعت،سیرتِ نبویؐاوردورصحابہؓ کے بھرپوراور گہرے مطالعہ نے ایک عالمی شورائی نظام قائم کرنے پران کی رہنمائی فرمائی۔

حضرت ثالث کی وفات کے بعداسی شوریٰ نے نظام الدین مرکز کے لیےمولانا اظہارالحسن کاندھلویؒ،مولانا محمدعمرپالن پوری، جناب میاں جی محراب میوات،مولانا زبیر الحسن اورمولوی محمد سعد پرمشتمل ایک پانچ رکنی شوریٰ متعین کرتے ہوئے طے کیا کہ یہ پانچوں حضرات حروف تہجی کے اعتبار سے فیصل بن کرمرکز نظام الدین کے تمام امور طے کرتے رہیں گے۔

مقدرات الٰہیہ سے دوسال کے مختصرعرصے میں تین اراکین شوریٰ کے وفات پاجانے پرکام کرنے والے پرانے احباب کی جانب سے ان خالی جگہوں کو پُر کرنے کا مطالبہ سامنے آنے لگا۔مولانا زبیرمرحوم کی بھی خواہش تھی کہ اتفاق رائے سے ان حضرات کی جگہ پر دوسرے حضرات کو لے لیا جائے مگرمستقبل کے عزائم اورمنصوبہ بندیوں کوسامنے رکھتے ہوئے دیگر بہت سے معاملات کی طرح اس معاملے میں بھی ان کی مخالفت کی گئی اوریہ کام نہیں ہونے دیا گیا۔

وفات سے چند ماہ قبل حضرت مولانا محمدابراہیم (دیولا) جیسے قدیم اورمخلص داعی مبلغ نے خاص طور پرمولانا مرحوم کوشوریٰ کے ارکان میں اضافہ پرمتوجہ کیا۔جس کا اظہارمولانا ابراہیم موصوف نے اپنی تحریرمیں اس طرح کیا کہ:

> ''بعض اہم مسائل کے پیش آنے پر میں نے متعدد بارحضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بنائی ہوئی شوریٰ میں عالمی سطح پر کچھ افراد بڑھانے کی بات رکھی تھی اور یہ درخواست پیش کی تھی کہ پیش آمدہ مسائل کا حل اسی میں ہے۔اخیرعمرمیں حضرت مولانا زبیرالحسن صاحب اس کے لیے تیار بھی ہوگئے تھےلیکن اچانک ان کے وصال کا وقت آ گیا۔ غَفَرَ اللّٰہ لَہٗ

وَاَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ۔''[1]

صورتحال کی نزاکتیں یا دشواریاں اسی کشمکش میں بڑھتی رہیں اور خطرات کی سرخ لکیریں پار کرتی رہیں اور جب پانی سر سے اونچا ہوگیا اور خطرات، واقعات بن کر سامنے آنے لگے تب نومبر ۲۰۱۵ء عیسوی/محرم ۱۴۳۷ھ میں رائیونڈ (پاکستان) میں ہونے والے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر مختلف ممالک بشمول ہندوستان بڑی تعداد میں احباب نے ایک آواز ہوکر اس شوریٰ کی تکمیل پر اصرار کیا۔

چنانچہ دو تین یوم کی جدوجہد اور باہمی مشوروں کے بعد مرکز نظام الدین کے لیے ۵/حضرات باضابطہ طور پر متعین کیے گئے جن کے اسماء یہ ہیں:

۱- مولانا محمد یعقوب سہارنپوری، مقیم بستی نظام الدین دہلی

۲- مولانا ابراہیم دیولہ، مقیم بستی نظام الدین دہلی

---

[1] اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے بھائی فاروق صاحب اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں:

'' رائے ونڈ پرنوں کے جوڑ منعقدہ اوائل مارچ ۲۰۱۴ء، میں میرا حضرت مولانا ابراہیم صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ سفر ہوا۔ اس سفر میں جانے سے پہلے میں نے حضرت مولانا زبیرالحسن صاحبؒ سے ملاقات کرکے ان کے سامنے تکمیل شوریٰ کی رائے رکھی، اس پر مولانا زبیر صاحب نے فرمایا کہ میری بالکل رائے ہے۔ جب آپ رائے ونڈ پہنچیں تو محترم حاجی عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم کے سامنے میری رائے پیش کردینا اور اگر حاجی صاحب مجھ سے معلوم کرنا چاہیں تو میری براہِ راست فون سے بات کرادینا۔ چنانچہ رائے ونڈ پہنچ کر میں نے حاجی صاحب کو تخلیے میں حضرت مولانا زبیرالحسن صاحبؒ کا پیغام پہنچایا اس پر حاجی صاحب نے مولانا ابراہیم صاحب کی رائے طلب کی۔ میں اسی وقت مولانا ابراہیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حاجی صاحب یاد فرمارہے ہیں۔ حاجی صاحب کے استفسار پر حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے یوں فرمایا کہ میں تو برسوں سے دونوں (حضرت مولانا زبیرالحسن صاحب اور مولانا سعد صاحب) سے کہہ رہا ہوں کہ شوریٰ کی تکمیل کرلیں''۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کہ جب یہ حضرات اس سفر سے واپس ہوئے تو حضرت مولانا زبیرالحسن مرض الموت میں تھے اور ان کی زندگی میں شوریٰ کی تکمیل نہ ہوسکی۔ ماخوذ از خطوط، دوسرا ایڈیشن، مطبوعہ حبیب بکڈپو، ص:۵۳

۳- مولانا احمد لاٹ گجرات، مقیم بستی نظام الدین دہلی

۴- مولوی محمد سعد سلمہٗ، مقیم مرکز دہلی

۵- مولوی محمد زہیر الحسن سلمہٗ، مقیم مرکز دہلی

ان مذکورہ افراد کے علاوہ عالمی شوریٰ کے لیے مزید افراد کا انتخاب کر کے تعداد کی کمی کو پورا کر دیا گیا۔

آنے والی سطور میں ان تمام اراکین کے اسماءِ گرامی آپ کی نظر سے گزریں گے۔ تکمیل شوریٰ کا یہ عمل بہت معمولی اور عام قسم کا عمل تھا۔ چنانچہ ہر جگہ کی دینی قوتیں اور اسلامی مدارس بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ اس کو کرتی چلی آرہی ہیں لیکن یہاں چونکہ معاملہ اغراض اور مفادات کا تھا اس لیے اس نے انتہائی سنگین صورت اختیار کر لی۔

اس بے حد نازک موقعہ پر دنیا بھر کے دعاۃ، مبلغین، قدماء اور علماء کی موجودگی میں جو احوال و واقعات پیش آئے اور جو جگ ہنسائی ہوئی۔ قرطاس وقلم کو یارا نہیں ہے کہ ان کو تحریر میں لائے۔ دعوت وتبلیغ کے عظیم تر روحانی قائد ومربی حضرت شیخ مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی کی عزت وناموس کا ہر وقت پاس ولحاظ رکھنے والوں اور ان ہی کی نسبت و برکت سے پوری دنیا میں متعارف بعض افراد خاندان (جو اُس وقت مرکز رائیونڈ میں اس تشکیلی مجلس میں موجود تھے۔) کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور ان کی حساس طبیعتوں نے ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

یہاں ان واقعات کے اعادہ کی اس لیے بھی ضرورت نہیں کہ اب وہ پوری دنیا میں واٹس ایب اور یوٹیوب پر دیکھے اور سنے جا سکتے ہیں۔

شوریٰ کی اس تکمیل کے بعد رائیونڈ تبلیغی مرکز سے ۴/صفر ۱۴۳۷ھ/ ۱۶/نومبر ۲۰۱۵ء میں جو اعلامیہ یہ پوری دنیا میں کام کرنے والے احباب کے لیے جاری کیا گیا اس کا مکمل متن یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ و تعالیٰ

اللہ رب العزت نے اس دور میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ذریعہ سارے عالم میں دین کے احیاء کے لیے ظاہری وسائل کے بغیر نہج نبویؐ کے مطابق دین کی محنت کو زندہ کرنے کی مجاہدہ وقربانی کے ساتھ بنیاد ڈلوائی۔

ان کے انتقال سے قبل خود مولانا ہی کے فرمانے پر اس وقت کے اہل حل وعقد نے باہمی مشورے سے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو ذمہ دار متعین فرمایا، جنہوں نے مولانا محمد الیاسؒ کے طرز پر قرآن مجید، احادیث مبارکہ، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مبارک زندگی کی روشنی میں کام کے مقصد اور طریقے کو واضح کیا اور اعتدال کی مکمل رعایت رکھتے ہوئے کام کا تفصیلی نقشہ امت کے سامنے پیش فرمایا اور یہ کام سارے عالم میں پہنچ گیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اہل حل وعقد کے مشورے سے حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو اس مبارک کام کے ذمہ داری سونپی، انھوں نے ہر طرح کام کے نہج کی حفاظت فرمائی اور پھیلتے ہوئے کام میں اصل نہج کی حفاظت کے لیے انھوں نے اپنے رفقاء کے مشورے سے مختلف ممالک میں شوریٰ کی ترتیب قائم فرمائی۔ کہیں امیر کے ساتھ شوریٰ اور کہیں احباب شوریٰ میں سے باری باری فیصل بننے کی ترتیب بنائی گئی، نیز تمام ممالک میں بڑھتے ہوئے کام کی نگرانی وترقی کے لیے اپنے ساتھ دس اراکین پر مشتمل اپنی شوریٰ بنائی جو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں ہر جگہ کی شوریٰ اور کام کرنے والے احباب کو اعتماد میں لے کر کام کرتی رہی۔ حضرت جیؒ کے وصال کے بعد وہ شوریٰ اسی نہج پر مصروف عمل رہی جس پر تینوں اکابر نے کام کو چلایا تھا۔

نومبر ۲۰۱۵ء میں نظام الدین، رائیونڈ، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک کے پرانے

ذمہ داراحباب نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ حضرت جیؒ کی قائم فرمودہ شوریٰ کی تکمیل کی جائے، جس کے آٹھ افراد کا انتقال ہو چکا ہے اور صرف دو باقی رہ گئے ہیں، تا کہ اس کام کا نہج اور طریقۂ کار محفوظ رہے اور جب کبھی کسی اضافہ یا تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو وہ اس شوریٰ کے مکمل اتفاق سے ہو، تا کہ اجتماعیت باقی رہے، نظام الدین، رائیونڈ اور کا کرایل میں کوئی ترتیب اس شوریٰ کے اتفاق کے بغیر شروع نہ کی جائے۔ شوریٰ کے کسی فرد کی کمی ہو جائے تو شوریٰ کے بقیہ احباب میں سے کم از کم دو تہائی افراد کی منظوری سے کمی پوری کر لی جائے تا کہ شوریٰ کا وجود برقرار رہے اور یہ مبارک کام امت کا کام رہے اور اجتماعی کام رہے۔

ہر جگہ کے پرانوں سے مذاکرے اور رائے لینے کے بعد اس شوریٰ میں محترم جناب حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہ العالی اور مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ مندرجہ ذیل احباب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

ان شاء اللہ اب آئندہ یہ شوریٰ ۱۳/افراد پر مشتمل ہوگی۔

۱- مولانا محمد ابراہیم صاب دیولہ (نظام الدین)
۲- مولانا یعقوب صاحب (نظام الدین)
۳- مولانا احمد لاٹ صاحب (نظام الدین)
۴- مولانا زہیر الحسن صاحب (نظام الدین)
۵- مولانا نذر الرحمٰن صاحب (رائیونڈ)
۶- مولانا عبدالرحمٰن صاحب (رائیونڈ)
۷- مولانا عبیداللہ خورشید صاحب (رائیونڈ)
۸- مولانا ضیاء الحق صاحب (رائیونڈ)
۹- قاری زبیر صاحب (کا کرایل)
۱۰- مولانا ربیع الحق صاحب (کا کرایل)

۱۱- بھائی واصف الاسلام صاحب (کاکرایل)

اس شوریٰ میں نظام الدین کے جو پانچ احباب ہیں وہ نظام الدین کی شوریٰ میں ہوں گے اور یہ شوریٰ نظام الدین کے جملہ امور باہمی مشورہ سے سرانجام دے گی۔

مؤرخہ: ۴؍صفر ۱۴۳۷/ ۱۶/ نومبر ۲۰۱۵ء

دستخط کنندگان:

محمد عبدالوہاب عفی عنہ	محمد یعقوب
نذرالرحمٰن	احمد لاٹ
محمد احسان الحق	محمد خالد صدیقی
طارق جمیل	فاروق احمد
بخت منیر	ثناءاللہ خاں
روح اللہ عفی عنہ	عبدالرحمٰن
محمد رفیق	محمد اسماعیل

اس عالمی شوریٰ کی تشکیل و تکمیل کے بعد جو پانچ حضرات نظام الدین کے جملہ امور کے لیے طے کیے گئے ان کی جانب سے ایک ضروری وضاحت مرتب کر کے عمومی طور پر کارکنان تبلیغ کو فرداً فرداً پہنچائی گئی۔ اس ضروری وضاحت کا متن یہ ہے:

باسمہٖ تعالیٰ

۱- اللہ رب العزت نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر دعوت کی محنت کا القاء فرمایا۔

۲- حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس محنت کے نہج مقاصد اور طریقۂ کار کے ہر ہر چیز کی تشریح فرمائی۔

۳- حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو منظّم و مرتب فرما کر محفوظ فرمایا۔

۴-ہم چاہتے ہیں کہ کام اسی اصل اور ڈگر پر رہے اور کوئی ضرورت اس میں اضافہ ترمیم کی اگر پیش آئے تو اس وقت تک شروع نہ کی جائے جب تک تینوں مراکز (نظام الدین، رائیونڈ، ککرائیل) کا اس پر اجماع نہ ہو جائے۔

اسی مقصد کے لیے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی شوریٰ کی تکمیل کی گئی ہے۔

اس شوریٰ میں نظام الدین کے جو پانچ حضرات ہیں وہ نظام الدین میں نوبت بہ نوبت فیصل رہیں۔فقط۔

اس ضروری وضاحت میں دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے بلکہ اس سے بڑھ کر شانِ قدرت کا مشاہدہ کرنے والی چیز یہ ہے کہ مرکز رائیونڈ سے :۴/ ۱۷۳۷ھ/ ۱۶/ نومبر ۲۰۱۵ء میں دنیا بھر کے جاری اعلامیہ اور پھر مرکز نظام الدین دہلی کی پانچ نفری شوریٰ کی جانب سے دنیا بھر میں بھیجی جانے والی اس تحریری وضاحت میں حضرت جی ثالث، حضرت مولانا محمد انعام الحسن رحمۃ اللہ کا نام نامی اس شان اور ان کے ساتھ نہ صرف شامل ہے بلکہ حضرت مولانا محمد الیاس حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ ساتھ **ثالث ثلاثہ اور فعززنا هما بثالث** کے طور پر محفوظ و موجود ہے۔

اس سے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت جی ثالثؒ کی وفات ۱۰/محرم ۱۴۱۴ھ تک حضرت جی ثالثؒ کی محنت کو داغ دار کرنے بلکہ اس کو لغو اور فضول تحریک ثابت کرنے اور ۳۲/ سالہ بگاڑ کو آہستہ آہستہ دُور کرنے کی پوری ۲۱/ سالہ محنت کو قدرت کے ان دیکھے ہاتھوں نے دیکھتے دیکھتے مٹی میں ملا دیا۔ لعل الله يحدث بعد ذلك امراً۔

کاتبِ سطور نے پاکستان کے مشہور و معروف عالم دین و محدث حضرت مولانا سلیم اللہ خان زید مجدہ کو ایک تفصیلی مکتوب موصوف کے خط کے جواب میں ارسال کیا تھا کہ اس کا تعلق بھی اسی عالمی شوریٰ کی تشکیل، اس کے آغاز اور اس کے پسِ منظر سے ہے اور اس سلسلے کی بہت سی تاریخی معلومات اس میں موجود ہیں، اس لیے اس کو بھی قارئین کے مطالعہ کے لیے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اس عالمی شوریٰ کی بنیادیں

کس قدر ٹھوس حقائق پر قائم ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت المکرّم مخدوم العالم مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہ، شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی/صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، یہ احقر بھی بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔

وسط شعبان میں جب کہ یہ احقر گجرات، بنگلور، بہار وغیرہ کے سفر پر تھا۔ رنگون (برما) سے ایک اہل تعلق کا فون موصول ہوا کہ حضرت والا ایک ضروری خط مجھے بھیجنا چاہتے ہیں، اس کے لیے ای میل ایڈریس کی ضرورت ہے۔

چنانچہ احقر نے ان کو جامعہ مظاہر علوم کا ای میل ایڈریس بھیج دیا تھا لیکن مجھے حضرت والا کا کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ اب ۱۷؍رمضان میں دبئ سے ایک کرم فرما نے حضرت مولانا محمد طلحہ اور اس احقر کے نام جناب والا کے مشترکہ خط کی فوٹو اسٹیٹ مجھے ارسال کی۔

یہ مکتوب گرامی ۴؍رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ/۱۰؍جون ۲۰۱۶ء کا تحریر فرمودہ ہے۔ معلوم نہیں اتنے عرصے تک یہ کہاں ٹھہرا رہا۔ میرا اخلاقی فریضہ ہے اور ادب کا تقاضہ بھی ہے کہ اس خط کا جواب خدمت والا میں ارسال کروں۔

حضرت والاؒ مرکز نظام الدین دہلی کے قضیہ میں خدا معلوم کتنے لوگوں نے مجھ سے صحیح صورت حال کی وضاحت تحریری طور پر چاہی، لیکن اس احقر نے متعدد وجوہات کی بنا پر سکوت کو ترجیح دی اور یہی کہا کہ مرکز کے متعلق وہاں کے مقیم اہلِ مشورہ یا دعوتی کام کے پرانوں سے رجوع کریں، لیکن جناب والا کی عالمانہ اور بزرگانہ شخصیت نیز آپ کا حضرت شیخ مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی کی نسبتی دینی اور علمی وراثت کا حوالہ دینے نے احقر کو جواب دینے پر مجبور کر دیا، اللہ جل شانہ مجھے بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہنے

اور لکھنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

حضرت والاً! یہ تو جناب کو معلوم ہی ہے کہ اس احقر کو اللہ جل شانہٗ نے محض اپنے فضل و کرم سے مخدومنا حضرت مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی کی خدمت مبارکہ میں اپنی حیات مستعار کے شب و روز گزارنے کا موقعہ عطا فرمایا اور یہ سعادت بھی عطا فرمائی کے کم و بیش دس سال تک یہ احقر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی اور تربیت میں بلدۂ طیبہ مدینہ منورہ رہا ہے۔ اس لیے ایسے ایسے احوال و واقعات سے واقف ہو جو دوسروں کو ہرگز معلوم نہیں ہوں گے ان میں سے چند احقر نے حال ہی میں شائع ہونے والی اپنی جدید کتاب ''عالم عرب میں حضرت شیخ کا مقام'' میں شامل بھی کر دیے ہیں۔

اب مختصراً عرض ہے کہ حضرات اہل علم اور قدیم دعاۃ و مبلغین اور کام کے ذمہ داروں کے تجزیئے اور جائزے کے مطابق مرکز کے ہنگامے اور فتنہ کی اصل وجہ اس شوریٰ کو تسلیم نہ کرنا ہے جو حضرت جی ثالث حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے بڑے غور و تدبر اور اونچی سطح کے حضرات کے باہمی صلاح و مشورے کے بعد دعوتی کام کے تحفظ اور شرور و فتن سے حفاظت کی غرض سے قائم فرمائی تھی۔

جناب والا کو معلوم ہے کہ دعوت و تبلیغ کی اس عظیم اور مبارک محنت کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو دربارۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بشارت اور خوشخبری ملی تھی کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ بشارت کا یہ تفصیلی واقعہ حضرت شیخ کی آپ بیتی میں، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی دعوت میں اور اس احقر کی کتاب سوانح ''مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی'' میں موجود ہے۔ اس کے بعد سے بڑے تواتر و تسلسل کے ساتھ نبوی منامات و مبشرات و ہدایات پر یہ دعوتی کام پورے عالم میں پھیلتا چلا گیا۔

حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری کو اللہ غریق رحمت فرمائے بڑی کثرت کے ساتھ ان کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوتی تھی اور وہ وہاں سے ملنے والی

ہدایات اور مشوروں سے حضرت شیخ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمہما اللہ کو بذریعہ خطوط مطلع کرتے یہ دونوں حضرات اس کی پوری پوری تعمیل فرماتے تھے۔

حضرت شیخ یہ خطوط سن کر اس احقر کو مرحمت فرما دیا کرتے تھے چنانچہ آج بھی محفوظ ہیں۔

اسی سلسلۂ احوال و واقعات کا ایک اہم اور نمایاں واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کو مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں محسوس ہوا کہ حضرت مولانا انعام الحسن آج کل دہلی میں بے حد متفکر خاموش اور کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں، چنانچہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد عمر پالنپوری سے فرمایا کہ مولانا انعام الحسن صاحب سے پوچھ کر بتلائیں کہ آج کل آپ پر کس چیز کا فکر ہے؟ مولانا پالن پوری کے دریافت کرنے پر حضرت جیؒ نے جواب فرمایا کہ:

''یہ لکھ دو کہ اپنے بعد اس دعوتی کام کا فکر ہے۔''

حضرت کو جب یہ جواب معلوم ہوا تو اپنے معمول کے مطابق اس مسئلہ کو دربارۂ نبویؐ سے حل کرانے کے لیے اپنی معروض پیش کی، وہاں سے جواب ملا کہ اب یہ دعوتی کام امارت کی بنیاد پر نہیں چلے گا بلکہ مشورہ کی جماعت سے چلے گا۔

چنانچہ اسی منشائے نبویؐ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں فیصلۂ نبویؐ کی بنیاد پر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے تمام دنیا کے تبلیغی مراکز میں شورائی نظام قائم فرمایا۔ جہاں جہاں شوریٰ موجود تھی اس میں افراد کا اضافہ کر کے اس کو مضبوط کیا اور جہاں شوریٰ نہیں تھی وہاں افراد متعین کر کے اس کو قائم کیا اور حروف تہجی کے اعتبار سے فیصل مقرر فرمائے۔

حضرت والا! اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ روحانیت اور معرفت و عرفان کے اونچے مقام پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ علمی و مطالعاتی حیثیت سے بھی نابغۂ روزگار تھے۔ قرآن و سنت اور تاریخ صحابہ و سیرتِ رسول

ﷺ پر آپ کی گہری اور وسیع نگاہ تھی۔ اس لیے مشورہ کی جماعت، مشورہ کے اصول اور شوریٰ کی اہمیت وقطعیت پر وہ تمام آیات واحادیث وآثار ان کے سامنے موجود تھے جن کے بکثرت حوالے جابجا قرآن وسنت واسوۂ رسول ﷺ اور تعاملِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہمیں دیکھنے اور پڑھنے کے لیے ملتے ہیں۔ چنانچہ اس عالمی شوریٰ کی تشکیل میں بھی یہ تمام عوامل کارفرما ہے۔

اور پھر اسی نظریۂ سیرت اور منشائے نبویؐ کی روشنی میں ۱۹۹۳ء کے اجتماع رائیونڈ میں حضرت قاضی عبدالقادر صاحب اور حضرت مولانا مفتی زین العابدین جیسے اکابر تبلیغ نے حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے طویل مشورہ کر کے ایسی عالمی شوریٰ بنانے پر بھی اتفاق رائے فرمایا جو اس دعوتی کام کی پوری پوری نگرانی کرے اور اس کو اپنے بڑوں کے قائم کردہ نہج ومنہج سے ہٹنے نہ دے۔

اس سلسلہ کی جو یادداشت میرے پاس موجود ہے اس میں مخدومنا حضرت الحاج عبدالوہاب صاحب زادمجدہ کا نام نامی درج نہیں ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ ایسے اہم اور تاریخی فیصلہ میں وہ ضرور تشریف فرما ہوں گے۔

اس عالمی شوریٰ کی اکثریت جب اپنے اپنے وقت پر اللہ کے حضور میں حاضر ہوگئی تو ضرورت محسوس ہوئی بلکہ حالات اور واقعات نے تمام پرانے کام کرنے والوں کو مجبور کیا کہ وفات یافتگان کی جگہ پر دوسرے حضرات کو نامزد کر دیا جائے۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ حالیہ اجتماع رائیونڈ میں وہ نامزد ہو گئے۔

اب جو کچھ بھی احوال ہیں اور جس قدر بھی کام میں ضعف اور انحطاط ہے اور جس قدر بھی دنیا بھر کے مراکز میں دو ذہن بنا دیئے جانے کی وجہ سے انتشار وخلفشار ہے وہ مجلسِ شوریٰ کو تسلیم نہ کر کے اپنی انفرادیت اور حاکمیت کو قائم کرنے کی وجہ سے ہے۔

حضرت والا کو اس کا بھرپور علم ہے کہ جہاں اور جن جن دینی اداروں اور مدارس میں مجالس شوریٰ ہیں وہ ان مدارس کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور مؤثر خدمات انجام

دے رہے ہیں، جہاں پر شورائی نظام قائم نہیں ہے، اسی طرح جن اداروں میں شورائی نظام قائم ہے اور وہ شیخ الاسلام حضرت اقدس مدنی اور حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ کے الفاظ میں ہیئت حاکمہ بن کر کام کر رہی ہے ان مدارس میں ہر اعتبار سے شفافیت نظم و ضبط اور قانون کی حکمرانی ان اداروں سے کہیں بڑھ کر ہے جہاں مجلس شوریٰ ہیئت حاکمہ کی حیثیت سے موجود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کے نقوش اور ان کے قائم کردہ خطوط پر اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ اگر خدمت دین کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے۔

حضرت والا! اعداءِ اسلام کی اس دعوتی محنت کو ختم کرنے یا اس کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے سلسلے میں ایک واقعہ اور بھی عرض کرتا ہوں۔

حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا میوات کا آخری سفر تھا جس میں یہ احقر بھی ہمرکاب تھا، مجھے اللہ جل شانہٗ نے بلا استحقاق یہ سعادت عطا فرما رکھی ہے کہ حضرت جی ثالثؒ کی حیات کے آخری سات، آٹھ سالوں میں ان کے تمام ملکی و غیر ملکی اسفار میں خادم کی حیثیت سے ساتھ رہنے کا موقع مرحمت فرمایا۔

چنانچہ اس سفرِ میوات میں بندہ نے یہ منظر دیکھا کہ حضرت جی ثالثؒ مغرب بعد نوافل سے فارغ ہو کر خاموش اور متفکر ہو کر قبلہ رُخ بیٹھے رہے۔ عام طور سے ایسی تنہائیوں کے موقع پر یہ احقر ایک دو باتیں خود خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا لیکن اس وقت کے حزن و تفکر کو دیکھ کر بندہ نے پہلا سوال صحت اور طبیعت کے بارے میں کیا اور فرمایا کہ ''الحمد اللہ ٹھیک ہے'' کچھ توقف کے بعد بندہ نے پھر صحت مزاج کے بارے میں دریافت کیا تو بہت ٹھنڈا سانس بھر کر یہ جواب دیا کہ بھائی اب اعداء اسلام اور معاندین تبلیغ نے یہ طے کیا ہے کہ دعوت و تبلیغ کے اونچی سطح کے افراد میں باہمی اختلافات پیدا کیے جائیں تاکہ کام کو نقصان پہنچے، مجھے اس وقت اسی کا فکر سوار ہے۔

اب جو دلدوز اور دلسوز احوال مشاہدہ میں آرہے ہیں ان کو دیکھ کر حضرت جیؒ کے تفکرات کی گہرائی کا احساس ہورہا ہے۔

لیکن حضرت والا! مجھ جیسے بے حیثیت اور دعوت وتبلیغ میں جان و مال اور زندگی بھر کی قربانیوں کے ساتھ چلنے والے لاکھوں با حیثیت لوگوں کے دل و دماغ اندر سے مطمئن ہیں کہ فتح مندی و کامیابی صرف منشائے نبوت بلکہ فیصلۂ نبوت کے تحت قائم ہونے والی شوریٰ ہی کو ملے گی، اور جو اس منشا و فیصلہ کو توڑیں گے ناکام ہوں گے، اس لیے کہ دنیا بھر میں جس قدر بھی روشنی اور اجالا ہے وہ صرف اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، ان کے غیر سے نہیں ہے۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ذہنی وفکری کج روی سے محفوظ رکھے، کیوں کہ اللہ جل شانہٗ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام پر مرمٹنے والوں کے قائم کردہ نہج اور منہج سے ہٹنے میں وہ تمام فتنے اور تمام ذلتیں ورسوائیاں موجود ہیں جن کا آپ اور ہم اور ساری دنیا مشاہدہ کررہی ہے۔ اس لیے کہ: ''فليحذر الذين يخالفون عن امره أن تصيبهم أو يصيبهم عذابٌ اليمٌ'' ایک حقیقت ہے۔

أعوذُ بالله من غضبه و غضب رسوله و غضب أَولِيَائِهِ

دعوات صالحہ کا محتاج

سید محمد شاہد غفرلہ سہارن پوری

نواسہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی۔

۲؍شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ/۸؍جولائی ۲۰۱۶ء۔

عالمی شوریٰ کی اس توسیع وتکمیل پر دنیا بھر میں دعوتی وتبلیغی محنت سے وابستہ یا اس سے دلی ہمدردی وہ مخلصانہ تعلق رکھنے والے جن حضرات نے اپنی تائیدات پیش کیں اور جس طرح سے ملکوں ملکوں اس کو حمایت ملی وہ بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں ان مؤیدین کے نام ہی اس بات کی ضمانت کے لیے کافی ہیں کہ یہ اپنے اپنے ملکوں میں کتنی بلند سطح رکھنے

والے حضرات ہیں۔

عالمی شوریٰ کا احترام اور اس کے فیصلوں پر آپ کا عمل:

گزشتہ صفحات میں مختلف انداز سے عالمی شوریٰ کا تذکرہ کافی تفصیل سے آچکا ہے، اب اسی ضمن میں یہاں یہ اضافہ بھی کیا جاتا ہے کہ مولانا مرحوم نے ہمیشہ عالمی شوریٰ کا نہ صرف احترام کیا بلکہ اس کے فیصلوں کی بھرپور تعمیل بھی کی۔

۱۔ مثال کے طور پر اس شوریٰ نے پہلا فیصلہ یہ کیا تھا کہ اب نظام الدین تبلیغی مرکز میں بیعت کا سلسلہ بند کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جن اصحاب کو جن مشائخ و اکابر سے بیعت ہونا ہو اپنے مقامات پر اس سلسلے کو جاری رکھ سکتے ہیں۔

مولانا زبیر مرحوم کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے کہ انھوں نے حضرت جی ثالثؒ کی وفات کے بعد عالمی مجلس شوریٰ کے اس فیصلے کے احترام میں بیعت کرنے میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی۔ حالانکہ وقت کے بہت سے اکابر نے طالبین اصلاح کو آپ سے رجوع کرنے اور روحانی تعلق رکھنے پر متوجہ کیا لیکن انھوں نے اپنا معمول بنالیا تھا کہ جب ان سے بیعت ہونے پر اصرار کیا جاتا تو وہ اتنا کہہ دیا کرتے تھے کہ والد صاحب کی بیعت ہی کافی ہے۔ اب آپ ان کے بتلائے ہوئے معمولات پر عمل کریں اور جو پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لیا کریں۔

کاتب سطور ان کی مجلس میں بہت کثرت سے یہ منظر دیکھا کرتا تھا کہ اہل دعوت اور اہل علم ان سے بیعت ہونے کے لیے اصرار کرتے، مگر وہ یہ کہہ کر انکار کر دیا کرتے تھے کہ شوریٰ کی طرف سے ممانعت ہے اور اس شوریٰ میں میں خود موجود تھا جس میں یہ ممانعت کی گئی۔ اس لیے میں کیسے بیعت کر کے اس فیصلے کی مخالفت کروں۔

خود راقم سطور کو متعدد لوگوں نے اس سلسلے میں ذریعہ اور واسطہ بنانا چاہا لیکن وہ اپنے انکار پر آخر تک قائم رہے۔

اس سلسلہ کی سب سے پہلی سفارش کاتب سطور نے مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی

کے مسلسل تقاضوں اور اصرار پر ان کے حق میں کی تھی لیکن مرحوم نے شوریٰ کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے معذرت کر دی تھی۔

ایسے ہی سورت میں مقیم منیار خاندان کے دو مشہور و معروف شخصیتیں (جناب الحاج شیخ محمود منیار اور جناب عبدالحفیظ منیار) کے متعلق راقم سطور کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ انھوں نے جب مولانا مرحوم سے بیعت پر اصرار کیا تو ان کو بھی شوریٰ کا فیصلہ کہہ کر معذرت کر دی۔

انکار بیعت کے تعلق سے جناب پروفیسر خالد صدیقی خود اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''بندہ کو یاد ہے کہ ایک بار تخلیہ میں میں نے مولوی زبیر صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے اور مجھے بیعت کر لیجئے۔ بندہ پہلے تو مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوا تھا، ان کے وصال کے بعد مولانا محمد انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوا، اب ان کے اجازت یافتہ صرف ایک آپ ہی ہیں۔ مجھے بیعت فرمالیں تاکہ بندے کا خانہ خالی نہ رہے۔ مگر بندہ کی اس درخواست پر مولوی زبیر صاحب مرحوم تیار نہ ہوئے جبکہ اس وقت ان کے حجرے میں ہم دونوں ہی تھے اور میری درخواست کے جواب میں فرمایا کہ حضرت کے وصال کے بعد شوریٰ نے اپنے مشورے سے کسی مصلحت کی وجہ سے بیعت کو موقوف کر دیا ہے۔ شوریٰ میں ایک میں بھی ہوں اور اس مشورہ میں شریک تھا، شوریٰ کے اس فیصلے کی خلاف ورزی مناسب نہیں ہے۔ تم حضرت سے بیعت تھے اور حضرت نے جو پڑھنے پڑھانے کے لیے فرمایا ہوگا وہ کرتے ہی ہوں گے، البتہ اس سلسلہ میں کچھ رہبری چاہو تو میں حاضر ہوں مگر شوریٰ کے مشورہ کے خلاف ورزی کر کے میرا بیعت کرنا مناسب نہیں۔

اور بندہ کو جہاں تک معلوم ہے انھوں نے اپنی زندگی میں کسی کو بیعت نہیں فرمایا اور بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ خدائے کریم ان کی تربت پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے۔

۲- اسی طرح اس شوریٰ نے ایک بڑا اقدم اٹھاتے ہوئے دوسرا فیصلہ یہ لیا تھا کہ اب اس دعوتی وتبلیغی کام کا کوئی امیر نہیں ہوگا بلکہ اب ہر جگہ جماعتی مشورہ کی بنیاد پر یہ کام ہوگا۔

مولانا زبیر مرحوم نے (اللہ جل شانہٗ ان کو غریق رحمت فرما کر اپنے آباء صالحین کے ساتھ ان کا حشر فرمائے) اس فیصلہ کو بڑی بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ قبول کر کے اپنی آخری بیس سالہ حیات میں اپنے آپ کو جماعتی فیصلہ اور اجتماعی مشورہ کے تابع کر لیا تھا، ان کی اس عظیم قربانی سے یہ دعوتی کام پوری دنیا میں اپنے پاؤں پر کھڑا رہا اور عالمی انتشار و خلفشار سے محفوظ رہا اور یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بہت بڑا فضل وکرم اور انعام تھا کہ مرحوم نے والد ماجد (حضرت جی ثالثؒ) کی وفات کے بعد اپنے بیس سالہ دور حیات یا عہد مشاورت میں نہ تو اپنے آپ کو امیر کہا، نہ پوری امت کا امیر بننے کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی کبھی حیلوں بہانوں سے اپنا امارت کا دعویٰ کیا۔

اس معاملے میں وہ اپنے دونوں پیش رو اکابر حضرت جی ثانیؒ اور حضرت جی ثالثؒ کے نقشِ قدم پر تھے، اس لیے کہ یہ دونوں حضرات بھی بقول حضرت مولانا محمد یعقوب زید مجدہ:

اگر چہ سب کے نزدیک متفقہ امیر تھے مگر کبھی انھوں نے امارت کا دعویٰ نہیں کیا، کبھی حکم کے انداز میں بات نہیں کی اور کبھی اپنی نہیں چلائی۔ اور امیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ہمیشہ مشورہ کے تابع رکھا۔

(اقتباس مکتوب مولانا موصوف محررہ ۲۳/ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ/۱۳؍اگست ۲۰۱۶ء)

کاتب سطور نے ان کی جانب سے مجلس شوریٰ کے احترام کی دو نظیریں نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں، ورنہ یہ فہرست تو بہت طویل ہے۔

(۳) منتخب احادیث بمقابلہ فضائل اعمال:

جماعت تبلیغ کی بنیاد جن چھ اصولوں پر قائم ہے وہ کلمہ طیبہ، نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم، اخلاص نیت اور تفریغ وقت ہیں، مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وفات سے چند سال پہلے ان چھ اصولوں پر علاحدہ علاحدہ طور سے احادیث جمع کرنے کا اہتمام کیا اور ایک ساتھ متعدد اہل علم کو علاحدہ علاحدہ موضوعات دیے کہ وہ ان پر وسعت کے ساتھ احادیث جمع کریں اور اس کے لیے آپ نے بہت سے ذیلی عنوانات مقرر فرمائے۔

ان اہل علم حضرات میں ایک مولانا عبداللہ طارق (مقیم بستی حضرت نظام الدین دہلی) بھی تھے، جن کو اکرام مسلم کے عنوان پر احادیث کی جمع و ترتیب کا کام سونپا گیا تھا۔ باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی منشاء اور خواہش اس کتاب کی جمع و ترتیب سے صرف اتنی تھی کہ اس کتاب کی متعدد نقولات اور قلمی نسخے تیار کر کے مختلف مراکز میں بھیجیں تاکہ وہاں کے مقیم اہل علم وعلماء حضرات اس سے استفادہ کریں، اسی لیے یہ حیاۃ الصحابہ، امانی الاحبار وغیرہ کی طرح نہ حضرت جی ثانی کے ۲۲ رسالہ دور میں شائع ہوئی اور نہ ہی حضرت جی ثالث کے ۳۲ رسالہ طویل دور امارت میں منظر عام پر آئی۔

لیکن ایک خاص ذہنیت اور منصوبہ کے مطابق ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء میں اردو، عربی وغیرہ دیگر درجنوں زبانوں اور متعدد ملکوں میں اس کی اشاعت بڑی تیزی کے ساتھ عمل میں لائی گئی اور پھر وہ حلقے جن کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی شانِ محدثیت اور فضائل اعمال کی شہرہ آفاقیت ہضم نہیں ہوتی تھی اور وہ جماعتیں جو دیوبند اور مقام دیوبند کو زہر آلود نگاہوں سے دیکھتی تھیں ان کے گھروں میں خوشی کے مارے گھی کے چراغ جلنے لگے۔[۱]

---

[۱] یہاں راقم السطور کو اس جرمن مستشرق کی تحقیق و ریسرچ کا حوالہ بھی دے دینا چاہیے جس میں اس نے دعویٰ کیا ہے کہ آج پوری دنیا میں دیوبند اور مسلک دیوبند کا عروج اور پھیلاؤ صرف فضائل اعمال کی وجہ سے ہو رہا ہے اب قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کون سے حلقے اور کون سی جماعتیں ہیں جن کی خوشنودی طبع کے لیے منتخب احادیث کو فضائل اعمال کے مقابلے پر لایا گیا۔

جماعتوں میں نکلنے والے عام افراد سے اسی طرح بڑے بڑے اجتماعات میں عام شرکاء سے بڑے وعدے اور مواعید اس پر لیے جانے لگے کہ وہ اس کتاب کو ضروری طور پر تعلیم میں پڑھیں گے اور سفر و حضر میں ہر جگہ اپنے ساتھ رکھیں گے۔

لیکن سب کچھ ہو جانے کے باوجود اب بھی یہ کتاب اتنی مظلوم ہے کہ آج تک اس کے تعلیمی اوقات کے بارے میں ذہنی الجھنوں اور فکری تحفظات کی وجہ سے کوئی ایک متعینہ ترتیب قائم نہیں ہو سکی۔ شروع میں اعلانات ہوتے رہے کہ پہلے فضائل اعمال پڑھ کر آخر میں کچھ دیر کے لیے اس کی بھی تعلیم کر دیا کریں، پھر دوسرا رخ یہ قائم ہوا کہ ایک دن فضائل کی اور ایک دن منتخب کی تعلیم ہوا کرے، اور اب تیسرا رخ یہ چلایا جا رہا ہے کہ صبح کو منتخب ہوا کرے اور شام کو فضائل اعمال، اب چوتھا رخ کیا ہوگا وہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

یاد رہے کہ صبح میں منتخب اور شام میں فضائل کی تعلیم کا اصلی منشاء یہ ہے کہ نکلنے والی جماعتوں اور اجتماعات میں تعلیم کا اصل اور وسیع وقت صبح کا ہی ہوتا ہے اس میں شرکت بھی جماعتی احباب زیادہ اہتمام سے کرتے ہیں، جب کہ شام کا وقت اس کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے غیر اہم ہوتا ہے اور مختصر بھی ہوتا ہے۔

اس کتاب کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ یہ جس قدر قیمتی اور وقیع ہے، اس سے کہیں زائد تنازعات میں پھنسی اور اترتی چلی جا رہی ہے اور کام کرنے والوں کے درمیان تفریق کا ذریعہ بنتی جا رہی ہے۔

پہلی وجہ اس کی یہ رہی کہ کھلی آنکھوں رہنے والوں کو اس کے پسِ پردہ مقاصد بخوبی معلوم تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اس کا نشانہ صرف اور صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی عالمانہ و محدثانہ شان کو چیلنج کرنا اور اس کے ذریعہ کام کو دو رُخ پر ڈالنا اور کام کرنے والوں میں ذہنی و فکری انتشار پیدا کرنا ہے۔

دوسری وجہ یہ رہی کہ کام کرنے والے مخلصین اور دعاۃ و مبلغین سے کسی بھی مرحلہ میں کوئی مشورہ نہیں لیا گیا اور نہ ہی اتفاق رائے کا ماحول بنایا گیا، چنانچہ مرکز تبلیغ نظام الدین

دہلی میں مقیم تمام خواص حضرات مثلاً مولانا محمد یعقوب صاحب، مولانا محمد ابراہیم صاحب، مولانا محمد زبیر الحسن مرحوم، مولانا احمد لاٹ صاحب، پروفیسر محمد محسن صاحبؒ، جناب الحاج نادر خاں صاحب، جناب الحاج خالد صدیقی، جناب پروفیسر ثناء اللہ وغیرہ اور بیرونی دنیا میں نہ معلوم کس قدر خواص اس کتاب سے بالکل علاحدہ اور یکسور ہے۔ ان حضرات نے کبھی بھی کسی وقت بھی اور کسی بھی شکل میں نہ تو اس کتاب کی جماعتوں اور عمومی اجتماعات میں پڑھنے پڑھانے کی تائید کی اور نہ ہی کبھی ملک و بیرون ملک میں ہونے والے بڑے بڑے اجتماعات کے اپنے اپنے بیانات میں اس کی تائید اور حمایت میں کوئی لفظ یا جملہ کہا بلکہ ہر چھوٹے بڑے اجتماع یا مرکز نظام الدین میں ہونے والے ملکی یا غیر ملکی جوڑ میں اس کے خلاف پورے دلائل کے ساتھ موثر آواز اٹھا کر فضائل اعمال کی جگہ اس کو لانے کی بھرپور مخالفت کرتے رہے۔

کاتبِ سطور یہاں اپنے روزنامچہ سے شعبان ۱۴۲۷ھ/ستمبر ۲۰۰۶ء میں ہونے والے جوڑ کا ایک اندراج پیش کرتا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوگا کہ اس دعوتی کام کی باریکیاں اور نزاکتیں سمجھنے والے قدماء (پرانے جماعتی احباب) خواہ وہ حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ یا ان سے قبل حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے جماعتی امور سے وابستہ رہے ہوں، اس کتاب یعنی منتخب احادیث کو دعوت و تبلیغ کے نصاب میں شامل کرنے اور اس کو فضائل اعمال کے مقابلے میں لانے کی کس قدر شدت کے ساتھ مخالفت کرتے چلے آرہے ہیں۔

روزنامچہ کا وہ اندراج یہ ہے:

> ۱۸ر شعبان ۱۴۲۷ھ/۱۲ر ستمبر ۲۰۰۶ء میں شاہد شام ۴ر بجے سہارنپور سے روانہ ہوکر بخیر و عافیت ۹ر بجے مرکز پہنچا۔
>
> آج کل یہاں ہندوستان کے پرانوں کا جوڑ چل رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ صاحبزادہ صاحب نے حیاۃ الصحابہ کی تعلیم سے قبل زور دار الفاظ میں مجمع کو منتخب

احادیث کی باقاعدہ اجتماعی تعلیم کی ترغیب دی۔اس پر باہر سے آنے والے پرانوں میں بڑا انتشار ہوااور طے ہوا کہ سب مل کران سے کہیں کہ جب تک شوریٰ میں طے نہ ہوجائے آپ اس کی ترغیب نہ دیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں بھائی فاروق صاحب، ڈاکٹر ثناء اللہ، بھائی خالد صدیقی، مولانا ابراہیم صاحب دیولہ، مولانا احمد لاٹ وغیرہ اجتماعی طور پر بعد نماز عشاء مولانا زبیر مرحوم سے ملنے آئے اور اس مسئلہ پر اپنی گہری تشویش اور فکر کا اظہار کیا اور پھر ۱۹رشعبان بدھ میں مشورہ کے بعد ان سب حضرات نے بموجودگی مولانا زبیر مرحوم صاحبزادہ صاحب سے گفتگو کی اور ان سب نے اپنی رائے کتاب کی مخالفت میں دی۔

صاحبزادہ موصوف شروع میں تو بہت غصہ ہوئے اور سختی سے بولے، لیکن سب کے اتفاق رائے کے سامنے آخر میں جاکر خاموش ہوگئے اور پھر طے ہوا کہ آنے والے اجتماع رائیونڈ میں اس پر اجتماعی طور سے غور ہوگا۔

دعا کے بعد ایک بجے بندہ دہلی سے روانہ ہوکر قبیلِ مغرب سہارنپور پہنچ گیا۔

اسی طرح ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۷ء میں ہونے والے حج کے سفر میں بھی دعوت وتبلیغ کے قدماء اور صاحبزادہ صاحب کے درمیان منتخب احادیث کو داخل نصاب کرنے نہ کرنے پر بحث ومباحثہ ہوتا رہا، جس میں کئی بار گرما گرمی کی نوبت بھی آئی۔صاحبزادہ صاحب کا اس پر اصرار تھا کہ یہ فوری طور پر داخل نصاب کی جائے اور ہر جگہ ہر وقت پڑھی جائے۔جبکہ بقیہ حضرات صرف اور صرف فضائل اعمال پر زور دے رہے تھے۔

کتاب پر قدماء تبلیغ کے تاثرات:

اس سلسلے میں حالیہ مہینوں میں سامنے آنے والی بہت سی اہم تحریروں میں سے پانچ تحریروں کے اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

۱- پہلا اقتباس اس طویل تحریر کا ہے جو نومبر ۲۰۱۵ء/محرم ۱۴۳۷ھ میں مولانا اسماعیل

گودھرا، بھائی فاروق بنگلور، پروفیسر ثناء اللہ علی گڑھ، ڈاکٹر خالد صدیقی علی گڑھ، پروفیسر عبدالرحمٰن مدراس، مولانا عبدالرحمٰن رویانہ ممبئی جیسے چھ قدماء کے دستخطوں سے جاری ہوئی ہے۔اس میں بھی یہ شکوہ ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا کہ!

''بغیر مشورے کے منتخب احادیث کو ہوشیاری کے ساتھ مرکز کی سطح سے عالمی سطح پر عام کیا جارہا ہے۔''

۲-دوسرا اقتباس (۵۰) سال کے طویل عرصہ تک مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا محمد انعام الحسنؒ کو قریب سے دیکھنے اور سفر وحضر میں ساتھ رہنے والی شخصیت یعنی حضرت مولانا محمد یعقوبؒ مقیم مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی کی ایک تحریر کا ہے۔

موصوف اپنے مکتوب محررہ ۲۳/ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ/۱۷/اگست ۲۰۱۶ء میں لکھتے ہیں!

''مولانا محمد یوسف صاحب نے کبھی بھی اشارۃً، کنایۃً منتخب احادیث کی تعلیم کا ذکر نہیں کیا (چنانچہ اب) فضائل اعمال کو آہستہ آہستہ ختم کرکے اس کی جگہ پر منتخب احادیث کو لانے کی کوشش ہورہی ہے۔''

۳-تیسرا اقتباس اس طویل چار صفحاتی مکتوب سے لیا گیا جو اس کتاب کے تعلق سے حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی نے آج سے کئی سال قبل ملک وبیرون ملک کے ذمہ داران دعوت وتبلیغ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، وہ لکھتے ہیں:

''بندہ ابھی چند روز پہلے عمرہ کے سفر پر تھا واپسی پر دیکھا کہ اچھی خاصی ڈاک میرے نام کی جمع ہے، اس میں کئی خطوط اس مضمون کے ملے کہ ذمہ دارانِ تبلیغ کی جانب سے یہ ہدایت وتاکید کی جارہی ہے کہ تبلیغی جماعتوں اور مساجد میں فضائل اعمال کے بجائے منتخب احادیث کی تعلیم کی جائے۔ چنانچہ بہت سے مقامات پر لوگ وقتی طور سے منتخب احادیث کی بھی تعلیم کرتے ہیں اور جہاں ان ذمہ داران کا اثر و رسوخ زیادہ ہے تو صرف منتخب احادیث ہی کی تعلیم ہوتی ہے اور فضائل اعمال کو بالکلیہ

نظر انداز کیا جارہا ہے کیونکہ ان کو بعض مرکزی ذمہ داروں کی جانب سے اشارہ کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔

میرا دل اس بات کو تو قبول نہیں کرتا کہ کوئی مرکزی ذمہ دار اس طرح کا اشارہ دے کہ فضائل اعمال جو تبلیغی نصاب کی حیثیت رکھتی ہے اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی جگہ منتخب احادیث کی تعلیم کرائی جائے۔

اشکال صرف اس رخ پر ہے جو ہمارے بعض خدامِ دعوت وتبلیغ اپنے بعض بڑوں کے طرزِ عمل یا ان کے اشارے سے اپنا رہے ہیں کہ فضائل اعمال کو بالکل پسِ پشت ڈالتے ہوئے منتخب احادیث کو اس کی جگہ دے رہے ہیں۔

دعوت وتبلیغ میں نکلنے والے احباب کی دینی وعلمی تربیت کی خاطر مولانا محمد الیاسؒ نے ایک بنیادی نصاب مرتب کرایا اور اصرار کر کے حضرت شیخؒ سے فضائل کے کچھ رسالے تالیف کرائے۔ اس تجویز میں نہ جانے کس درجے کا اخلاص تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی اور بے شمار انسانوں کی زندگیوں میں اس کی بدولت صالح انقلاب آ گیا۔''

مولانا محمد الیاسؒ کے دونوں جانشین مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا انعام الحسنؒ بھی ان کتب فضائل کی تعلیم کو بہتر اور مفید سمجھتے رہے اور کسی طرح کا اشکال انھیں پیش نہیں آیا۔ بلکہ جن حضرات کے اشکالات ان کے سامنے آئے خوش اُسلوبی سے اُن کا جواب دے دیا۔ چونکہ ان حضرات کی نظر میں بھی یہ کتاب تبلیغ کے بنیادی نصاب کا درجہ رکھتی تھی۔

مولانا محمد یوسفؒ نے تو اپنے ایک مکتوب میں حضرت شیخؒ کی فضائل کی ان کتابوں کے نام لکھنے کے بعد صاف طور پر یہ تحریر کر رکھا ہے کہ صرف یہ کتابیں ہیں جن کو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ وابستگان دعوت وتبلیغ کے حق میں ان کتب فضائل کی

حیثیت بنیادی نصاب بلکہ بنیادی اصول کی ہے۔ ان سے انحراف یا بے توجہی کسی طرح مناسب نہیں، ایسا کرنا اپنے بنیادی اصول سے انحراف قرار پائے گا، بلکہ اپنے اکابر پر جو کام کی بنیاد ہیں اور جن کے واسطے سے یہ کام ہم تک پہنچا ہے ان پر بے اعتمادی کے مرادف ہوگا۔''

حضرت شیخ اور مولانا یوسفؒ، مولانا محمد انعام الحسنؒ بھی حضرات کے علم میں منتخب احادیث تھی۔ اگر اس کتاب کا بھی اجتماعی تعلیم میں پڑھنا ہوتا تو اس پر عمل ان حضرات کی زندگی میں ہو چکا ہوتا۔

۴- چوتھا اقتباس مولانا زبیر مرحوم کی اس طویل تحریر سے پیش کیا جا رہا ہے جو مرحوم نے مرکز کے لیے بننے والے ایک ذیلی مجلس شوریٰ میں پیش کی تھی۔ اس تحریر میں آپ نے منتخب احادیث کے حوالے سے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے ان پر آپ نہ صرف آخر تک قائم رہے بلکہ اس سلسلے میں بڑے بڑے دباؤ اور تقاضوں کو نظر انداز اور دھمکی آمیز تحریروں کو ردّی کی ٹوکری میں ڈالتے رہے۔[1]

بعض تذکرہ نگاروں نے اس کتاب کے حوالہ سے مولانا مرحوم کا جو موقف نقل کیا ہیں وہ شدید غلط فہمی بلکہ کذبِ صریح پر مبنی ہے۔

مولانا زبیر مرحوم کی اس تحریر کا اقتباس یہ ہے:

بندہ کے نزدیک منتخب احادیث کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ ہمارے کام کرنے والے اس کی وجہ سے بہت متفکر ہیں۔ مختلف زبانوں میں بغیر کسی مشورہ کے اس کے تراجم کرا دیئے ہیں اور اب کوشش اس کی ہو رہی ہے کہ اب وہ جماعتوں اور تعلیم کے حلقوں میں اسی طرح پڑھی جائے، جیسے کہ فضائل اعمال پڑھی جاتی ہے۔

---

[1] راقم سطور نے (اپنے روزنامچہ کے اندراج کے مطابق) یکم شعبان ۱۴۲۱ھ/ ۲۹/ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں ہونے والے مرکز حضرت نظام الدین کے سفر میں پہلی مرتبہ منتخب احادیث وہاں کے ممبر ومحراب اور الماریوں میں رکھی بھی دیکھی تھی۔

کثرت سے خطوط میں اور زبانی کارکنان اس کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کے متعلق سوال کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے بہت انتشار ہے۔خود ہمارے یہاں گھر میں بلا کسی مشورہ اور اجتماعی رائے کے اس کو شروع کرادیا گیا۔

اس لیے بندہ کی قطعی رائے ہے کہ عمومی تعلیم صرف فضائل اعمال کی ہی ہونا ضروری ہے، جیسا کہ ۷۰/سال سے ہوتی آرہی ہے۔انفرادی مطالعہ میں بیشک اس کو پڑھا جائے۔

۵- پانچواں تأثر (بلکہ ایک طرف سے معذرت اور معافی نامہ) مولانا محمد بلال کراچی کا ہے جنھوں نے عقیدت یا اپنی سادگی مزاج کی وجہ سے حالات کی تہہ میں پہنچ کر کتاب منتخب احادیث کی طباعت واشاعت میں موثر کردار ادا کیا اور جب اس کے نقصانات اور پس پردہ عزائم ان کے سامنے آئے تو انھوں نے فوراً ایک معذرت اور رجوع نامہ دعوتی احباب کی اطلاع کے لیے شائع کردیا۔

یہ رجوع نامہ واٹس اپ پر سارے دنیا میں پڑھا گیا اور اب وہیں سے نقل کیا جارہا ہے۔

کتاب ''منتخب احادیث'' کے بارے میں ایک انکشاف:

ایک اہم بات کی طرف تمام عالم کے کام کرنے والے دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

بندہ نے مولوی سعد کاندھلوی کی حمایت میں ان کے اشارے پر جہاں بہت ساری غلطیاں کی ہیں ان میں سے ایک غلطی یہ کی ہے کہ ''منتخب احادیث'' کی تصنیف وترتیب کے لیے علماء کی جو جماعت تھی اس کا مکمل ساتھ دیا۔

مولوی سعد ۲۰۰۰ء میں بجائے مرکز رائیونڈ آنے کے دہلی سے سیدھے کراچی آئے تھے۔جس پر حاجی عبدالوہاب صاحب نے ناراضگی کا اظہار کیا کہ ان کو پہلے رائیونڈ آکر مشورہ سے کام کرنا چاہیے تھا۔ بندہ اس وقت حاجی صاحب کی ناراضگی کی

وجہ نہ سمجھ سکا تھا۔

جب احادیث کا ترجمہ مکمل ہوگیا تو یہ مسئلہ آیا کہ کتاب کی نسبتِ تصنیف علماء کی اس جماعت کی طرف ہوجائے جنھوں نے ترجمہ کیا ہے، جو ایک حقیقت تھی، مگر حیرت اس وقت ہوئی جب مولوی سعد کے سامنے یہ تجویز پیش ہوئی تو سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ اس کی نسبت میری ہی طرف رہے گی اور مصنف ومرتب کی حیثیت سے میرا ہی نام رہے گا۔ تصنیف کی لائن سے یہ کتنی بڑی خیانت ہے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اب حاجی صاحب کی ناراضگی کی وجہ معلوم ہوئی اور اندازہ ہوا کہ وہ کتنے دُور اندیش ہیں۔

ایک اہم بات یہ عرض کرنی ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چھ نمبروں کی جو احادیث جمع فرمائی تھیں وہ بہت تھوڑی تھیں، زیادہ تر احادیث علماء کی اس جماعت ہی نے شامل کرکے چھ نمبر مکمل کیے ہیں۔ اس لیے اس کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا جارہا ہے، وہ بھی ایک صاف جھوٹ ہے۔ افسوس ہے کہ ہمیں اس وقت اندازہ نہ ہوسکا کہ ہم امت کو کتنے بڑے فتنے میں ڈال رہے ہیں۔

ہماری آنکھیں اس وقت کھلیں جب حاجی صاحب نے اس (بات) سے بالکل اتفاق نہیں کیا کہ یہ ہماری اجتماعی تعلیم میں شامل کی جائے۔ واقعی یہ بندہ کتنا دوراندیش ہے کہ امت کو اس فتنے سے بچالیا۔

اتنے اہم خاندان سے نسبت رکھنے والے مولوی سعد کی یہ خیانت الامان والحفیظ ''عربی منتخب احادیث'' میں بھی مصنف کے نام کی جگہ اپنا ہی نام لکھ دیا۔ شہرت کی اس قدر بھوک، توبہ توبہ استغفراللہ۔

کوئی پوچھے کہ ''منتخب احادیث'' تو پاکستان ہی کی تصنیف وتالیف ہے اور پہلی

بار پاکستان ہی میں چھپی تو پھر اس کو فضائل اعمال کے خلاف شدومد سے کیوں چلا رہے ہو اور حضرت حاجی صاحب کے فیصلہ کو تم ماننے پر کیوں تیار نہیں ہو بلکہ اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو۔

''منتخب احادیث'' اس وقت پورے عالم میں وجہ اختلاف اور فتنہ بن گئی ہے، ہم لوگوں کو پچھتاوا ہے کہ ہم نے کیوں ایسے کا کہنا مان کر اس کتاب کو مرتب کیا۔ خدائے کریم ہماری اس کوتاہی کو معاف فرمادے۔ تصنیف کی لائن کی تو یہ عظیم خیانت ہے ہی۔

فقط والسلام

بندہ محمد بلال کراچی

مولانا بلال کراچی کے اس مکتوب پر یہاں یہ اضافہ بھی مفید رہے گا کہ دہلی کے وہ حضرات جنھوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کو اپنے ابتدائی مرحلہ میں ایک کارِثواب سمجھ کر اپنی جان، اپنا مال، اپنا وقت اس پر صرف کیا تھا ان کا کہنا ہے کہ یہ مسودہ کی شکل میں کاپی کے ۳۰/۳۵ صفحات پر مشتمل تھی اور ہم ہی لوگوں نے حفاظت کے خاطر اس مسودہ کا لمینیشن (Lamination) کرایا تھا لیکن ترجمہ کے ساتھ ساتھ اس کو تصنیف کر کے اتنی ضخامت دیدی گئی، اور پوری کتاب کی نسبت حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کردی گئی۔ اگر یہ اطلاع درست ہے تو یہ یقیناً علمی دنیا کی ایک بہت بڑی خیانت ہے۔

راقم سطور کے علم میں یہ بات بہت عرصہ سے ہے کہ حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ جب پہلی مرتبہ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے وصال کے بعد سہارنپور حضرت شیخؒ کی خدمت میں آئے تو اپنے ساتھ علماءِ مصر وحجاز کے بہت سے خطوط لے کر آئے، جن میں ان علماء کی جانب سے مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی حیاۃ الصحابہ کے بہت سے واقعات پر تاریخی اشکالات اور ان واقعات سے نتائج کے استخراج اور استدلالات پر بڑے اعتراض تھے۔

مجموعی طور پر ان علماء کا کہنا یہ تھا کہ فلاں فلاں واقعات حیاۃ الصحابہ سے نکال دیے جائیں کیونکہ وہ تاریخی معیار پر پورے نہیں اُترتے۔

اس مجلس میں دونوں حضرات کا ان خطوط اور اس میں ذکر کردہ اعتراضات پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ نے ان اعتراضات و اشکالات کو بڑے غور سے سننے کے بعد ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جواباً ارشاد فرمایا کہ:

''مولوی انعام! ان سب کو جواب میں بس اتنا لکھ دو کہ مصنف کا انتقال ہو چکا ہے اور اب ہمیں ان کی کتاب میں تغیر و تبدل کا کوئی حق نہیں ہے۔''

کاش فضائل اعمال کے ساتھ بھی اسی سیر چشمی اور وسعت قلبی کا معاملہ کر لیا جاتا، لیکن اس پر کہاں تک رویا جائے کہ دعوت و تبلیغ کے معاندین اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے فکری اور نظریاتی اختلاف رکھنے والے جو کام خیر القرون میں مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا محمد انعام الحسنؒ سے نہیں کرا سکے، وہ ان کے بعد ایک ہی جھٹکے میں بڑی آسانی سے ان ہی کے حسب و نسب سے کرا لیا گیا، سچ ہے:

نسیم! اعداء سے کیا شکوہ پسِ مرگ
ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا

حیاۃ الصحابہ پر حضرت شیخ کے اس اصولی جواب سے پتہ چلتا ہے کہ اگر اذہان و افکار میں قبولیت حق کی صلاحیت موجود ہے اور دل و دماغ حق و باطل کی کشاکشی سے محفوظ ہیں تو پھر اپنے بڑوں کی عزت اور حرمت کی حفاظت بڑی آسان ہے۔

مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا انعام الحسنؒ کے دور سے دعوت و تبلیغ کے میدان میں جان، مال اور اوقات کھپانے والے معمر مبلغین پہلے ہی دن سے اس کتاب (منتخب احادیث) کے متعلق تحریراً و تقریراً، اجتماعاً و انفراداً یہ وضاحت و تنبیہ کرتے چلے آ رہے ہیں کہ شوریٰ اور ساتھیوں کو مطمئن کیے بغیر اس کتاب کو اجتماعات، عمومی جماعتوں اور مساجد و مراکز میں پڑھنا اور پڑھانا بہت بڑے فتنے کا پیش خیمہ ہے، چنانچہ ہر ہر ملک کے تمام مراکز اور

تمام مراکز کے افرادشوریٰ میں اس کتاب کو لے کر جو قضیے اور اختلافات رونما ہوئے اور بیشتر مقامات پر آپسی ٹکراؤ کے جو واقعات سامنے آئے اس نے اجتماعیت کا شیرازہ بکھیر دیا اور دنیا کے کسی بھی ملک میں کام کرنے والوں کو کلمۂ واحدہ پر قائم نہیں رہنے دیا اور یہی اعداءِ اسلام اور معاندینِ تبلیغ کی خواہش اور گہری سازش تھی۔

راقم سطور کو چند سال پہلے کا اپنا واقعہ خوب یاد ہے کہ جب اس نے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے ایک بہت بافیض ممتاز خلیفہ اور خدا رسیدہ شخصیت کے سامنے فضائل اعمال کا رونا رویا اور ان کو بتلایا کہ یہ ساری اسکیم اور جد وجہد حضرت شیخؒ کے عالمانہ ومحدثانہ مقام کو مجروح کرنے کے لیے چلائی جارہی ہے تو انھوں نے بہت ٹھہرے ہوئے لب ولہجے میں بڑے اطمینان اور سکون سے راقم کے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا تھا کہ:

''شاہد! تمھیں فکر اور تاثر کی بالکل ضرورت نہیں، اس لیے کہ فضائل اعمال اپنا بدلہ خود لے لے گی۔''

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جتنے اصحاب جانتے بوجھتے منتخب کی آڑ میں فضائل اعمال کو پسِ پشت ڈالنے میں لگے ہوئے تھے یا اپنے بھولے پن اور سادگیِ مزاج کی وجہ سے اس کی طباعت واشاعت کو دعوت وتبلیغ کا شاہکار سمجھ رہے تھے، وہ سب کے سب عجیب وغریب طرح کے ابتلاءات اور آزمائشوں میں پھنستے چلے گئے، اور ان سطور کے لکھتے وقت بھی ان سب کے چہرے راقم سطور کی نظروں میں ہیں، لیکن فضائل اعمال کے مصنف کا حد سے بڑھ کر اخلاص، امت کی اصلاح کی کڑھن اور ہر امتی کے دل میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جانے کا داعیہ اور اس کے مصنف کی ظاہری وباطنی طہارت اور سب سے بڑھ کر ہمہ وقت رجوع وانابت الی اللہ کا یہ سحر ہے یا کرشمہ کہ فضائل اعمال آج بھی افقِ عالم پر اپنا لوہا منوانے میں سو فیصد کامیاب اور اس کا مقابلہ کرنے والے سو فیصد ناکام ہیں۔

اور آج کی تاریخ میں دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں اور سمجھنے والے سمجھ رہے ہیں کہ

فضائل اعمال اپنا بدلہ خود لے رہی ہے کیونکہ یہ کتاب سیاہ روشنائی سے نہیں بلکہ خون دل کی سرخ لکیروں سے لکھی گئی ہے اور عشق نبویؐ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ایک ایسے مومن بندہ کے ہاتھ کے تابندہ نقوش ہیں جس کا ہاتھ یقیناً اللہ کا ہاتھ ہے!

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا کار ساز

فضائل اعمال اور اس کے قابل صد راحترام مصنف کے متعلق راقم سطور کے مذکورہ بالا حقیقت پر مبنی تاثرات کو ان کے فرزند مولانا محمد طلحہ کاندھلوی اپنے ایک مکتوب میں (جو چند سال قبل اجتماع رائیونڈ (پاکستان) کے موقعہ پر وہاں کے اصحاب دعوت وتبلیغ کو بھیجا گیا تھا۔) مختصر الفاظ میں اس طرح لکھتے ہیں:

''ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور مخصوص خدام سے سنا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فضائل کے رسالوں کو تالیف کے دوران طہارت ظاہرہ کا اہتمام حد درجہ فرمایا کرتے تھے۔ اور جہاں تک طہارت باطنہ کا تعلق ہے تو یہ دیکھنے کی چیز نہیں۔

البتہ ان کتابوں کی محیر العقول حد تک مقبولیت اور عامۃ المسلمین کی زندگیوں میں ان کے حیرت انگیز اثرات سے صاف ظاہر ہے کہ ایسی مقبولیت ونافعیت کمال اخلاص کے بغیر ممکن نہیں۔''

اسی مکتوب کے آخر میں مولانا محمد طلحہ زید مجدہ فیصلہ کن انداز میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت شیخ اور مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا محمد انعام الحسنؒ سبھی حضرات کے علم میں منتخب احادیث تھی، اگر اس پالیسی کے مطابق جس کا تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے آخری وقت میں کیا تھا کہ: ''پالیسی طے ہو چکی ہے۔'' اس کتاب کا بھی اجتماعی تعلیم میں پڑھنا ہوتا تو اس پر عمل ان حضرات کی زندگی میں ہو چکا ہوتا۔

اس لیے گزارش ہے کہ کسی کے اعتراض کی پرواہ کیے بغیر اس نصابی کتاب کو جوں کا توں باقی رکھیں۔ اس کی جانب سے بے اعتنائی تحریک تبلیغ کے لیے نقصان دہ

ہوگی بلکہ اگر کسی طرف سے اس طرح کی بات معلوم ہوتو بروقت اس کا تدارک کرنے کی سعی کریں، اسی میں ان شاءاللہ خیر ہوگی اور اب تک کا تجربہ بھی یہی ہے۔''

راقم سطور نے دونوں کتابوں کے حوالے سے یہاں تک جو کچھ لکھا ہے اس کا تعلق ہمارے ملک ہندوستان سے تھا، پاکستان کا معاملہ اس لحاظ سے بالکل بدلا ہوا ہے، اور دوسرے رخ پر ہے، وہاں کے ارباب حل وعقد اور مرکزی ارکان خاص کر رائیونڈ مرکز کے احباب شوریٰ نے اپنی بالغ نظری، دور بینی اور سب سے بڑھ کر دعوتی اصول وضوابط پر اپنی مضبوط گرفت کی وجہ سے منتخب احادیث کی طباعت واشاعت کے اصلی پس منظر کو پہلے ہی دن دیکھ لیا اور سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ وہاں دور ونزدیک اور ملک وبیرون ملک میں جانے والی تمام جماعتوں کو آج بھی صرف اور صرف فضائل اعمال پڑھنے پڑھانے کی تاکید اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔

وہاں کے احباب شوریٰ اور ذمہ دار اصحاب اس کتاب کے حوالہ سے ہمیشہ متفکر اور متردد رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً اس کی طرف متوجہ بھی کرتے رہے۔ چنانچہ جنوری ۲۰۱۵ء کے ہونے والے اجتماع ٹونگی میں بھی ان احباب کی جانب سے تحریری طور پر کتاب کے تعلق سے اپنی فکر کا اظہار کرتے ہوئے آٹھ نمبرات پر مشتمل ہے ایک یادداشت سونپی گئی تھی۔ جس میں چھٹے نمبر پر اسی کتاب سے بہت سے ممالک میں جگہ جگہ اختلاف وانتشار کی بات کہی گئی ہے۔

راقم سطور کا دعوتی و جماعتی لحاظ سے پاکستان کا سب سے پہلا سفر آج سے چالیس سال قبل ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء کے اجتماع رائیونڈ کے موقع پر ہوا تھا۔

اب یہ اللہ جلّ شانہٗ کا فضل واحسان ہے کہ اس طویل عرصہ میں (چند اجتماعات کو چھوڑ کر) تمام ہی اجتماعات میں یہ شرکت اپنے پہلے دور میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں، دوسرے دور میں حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے کفش بردار کی حیثیت سے اور تیسرے دور میں مولانا محمد زبیر الحسن مرحوم کی محبتوں وشفقتوں کے زور سے

ہوتی رہی ہے۔

اپنے طبعی ذوق (یا زیادہ بہتر الفاظ میں مخدومنا حضرت شیخ کی عادت مبارکہ کے مطابق) ہر اجتماع کا کھلی آنکھوں مشاہدہ، ہر قسم کے مثبت ومنفی احوال وافکار کا مطالعہ، مردانِ کار سے ملاقاتیں، جماعتیں میں نکلنے والے ملکی وغیر ملکی احباب کے گوشوارے، ان گوشواروں میں ہر سال عددی لحاظ سے ہونے والے ترقیاتی اضافے، ملکوں کے مسائل اور علمی مشاغل اور پھر اکابر تبلیغ کی طرف سے ان کی گرہ کشائی، نیز ہر طرح کی صحافتی اور غیر صحافتی رپورٹوں، تحریروں کو پڑھ کر ان کا تجزیہ وجائزہ اور پھر پوری احتیاط اور سلیقہ کے ساتھ اپنے روزنامچہ (ڈائری) میں ان کی تفصیلات کے اندراج سے شاید ہی کوئی سال یا کوئی اجتماع باقی رہ گیا ہو۔

اللہ مجھے معاف کرے اس ساری خودنمائی اور خود پسندی کے اظہار بلکہ ''در مدح خود قصیدہ خوانی'' کے بعد راقم سطور کو یہاں یہ لکھنے میں کوئی تامل نہیں ہے اور اگر کوئی صاحب اس سے اتفاق نہ کریں تو مجھے ان پر ذرا بھی اصرار نہیں ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں ہونے والے دعوتی وتبلیغی کام کی اسّی (۸۰) فیصد کامیاب قیادت مخدومنا حضرت الحاج عبدالوہاب صاحب زید مجدہ کی نگرانی اور سرپرستی میں مرکز رائیونڈ کے قدماء اور اصحاب مشورہ کے ذریعے ہو رہی ہے اور اس کامیاب قیادت کی جڑیں اور بنیادیں مضبوط ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں وہ حضرات دعوت وتبلیغ کے اکابر اربعہ یعنی حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا زکریا، حضرت مولانا محمد یوسف، حضرت مولانا محمد انعام الحسن رحمہم اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نقوش وخطوط پر ہوشمندی کے ساتھ ثابت قدم رہ کر **البرکة مع اکابر کم** جیسے اثر اور **من کان مستننا فلیستن بمن قدمات فان الحی لا یؤمن علیه الفتنة** جیسی حدیث نبویؐ کا لطف اور اس کی اثر انگیزی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

یہاں پہنچ کر راقم سطور کو حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن رحمہ اللہ کا بے اختیار وہ ملفوظ یاد آ گیا جو ان کی زبان حق ترجمان وَوَ سے متعدد مرتبہ سنا کہ:

''میں نے کبھی بھی اپنے آپ کو رائیونڈ والوں کا امیر نہیں سمجھا بلکہ ان کو ہمیشہ اپنا رفیق اور دعوتی عمل کا ساتھی سمجھا ہے۔''

اب وہاں کی اسّی (۸۰) فیصد کامیاب قیادت میں حضرت جی ثالث کی عالی ظرفی، سیر چشمی اور وسعت قلبی کا کتنا عمل دخل ہے اس کو صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جن کو حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ سے داعیانہ صفت اور مومنانہ بصیرت عطا کی گئی ہے ورنہ تو.....!

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

(۴) حجرہ متصل مسجد اور معاہدہ کی خلاف ورزی :

مرکز تبلیغ دہلی میں مسجد سے ملحق تعمیر شدہ ایک حجرہ (کمرہ) دعوت وتبلیغ کی تاریخ کا چشم دید گواہ بنا چلا آ رہا ہے۔ اس میں حضرت مولانا الیاس، حضرت مولانا محمد یوسف، حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ اپنے اپنے دورِ امارت میں قیام فرماتے رہے ہیں۔

چنانچہ آغاز دعوت وتبلیغ سے اپنی وفات (رجب ۱۳۶۳ھ/ جولائی ۱۹۴۲ء تک) اٹھارہ سال بحیثیت حضرت جی اول مولانا محمد الیاس، ان کے بعد اپنی وفات (ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ/ اپریل ۱۹۶۵ء تک) بائیس سال بحیثیت حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور ان کی وفات کے بعد (محرم ۱۴۱۶ھ/ جون ۱۹۹۵ء تک) بتیس سال بحیثیت حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کا مسلسل اور متواتر قیام اسی حجرہ میں رہا ہے۔

اس حجرہ کی چھت چونکہ کافی بلندی پر واقع ہے اس لیے مولانا محمد یوسفؒ کے دور میں وہاں آگے کی جانب لکڑی اور تختوں کی ایک چھت بنا کر مولانا محمد یوسفؒ کے دارالتصنیف سے اس کو موسوم کیا گیا اور مولانا محمد انعام الحسنؒ کے دور میں اس کے عقبیٰ حصہ میں پختہ لینٹر کی چھت ڈال کر اس کو ایک کمرہ کی شکل دے دی گئی۔

جناب الحاج بھائی محمد یوسف رنگ والے (کراچی) نے حضرت جی ثالث کے

آرام وراحت کی غرض سے یہ کمرہ بنوایا تھا۔

مولانا محمد انعام الحسنؒ کی وفات تک یہ حجرہ روزانہ صبح مشورہ کے لیے کھلتا تھا لیکن معلوم نہیں کہ یہ حبِّ علی کا نتیجہ تھا یا بغضِ معاویہ کا اثر یا اور کوئی تیسری چیز[1] کہ دیگر مطالبات کی طرح یہ مطالبہ بھی شدت سے اٹھایا گیا کہ ہمیں اس حجرہ کی ضرورت ہے لہٰذا ہمیں دیا جائے۔اس مطالبہ میں روز بروز گرمی آتی چلی گئی اور مرکز کے بام ودر اس گرمی کی تپش سے سرخ ہونے لگے اور پھر اس وقت کے اپنے انتہائی معتمد،لیکن آج کے انتہائی غیر معتمد حضرات یعنی جناب بھائی فاروق احمد بنگلور، جناب ڈاکٹر ثناء اللہ علی گڑھ، جناب عبدالحفیظ منیار سورت، جناب بھائی محمد خالد صدیقی علی گڑھ کو اس مسئلہ کے حل کے لیے ذریعہ اور واسطہ بنایا گیا۔

ان حضرات نے اندرونی خلفشار ختم کرنے کی تدبیر کے طور پر مؤرخہ ۱۰رصفر ۱۴۱۷ھ/ جون ۱۹۹۶ء جمعرات میں اپنی ایک اجتماعی مجلس منعقد کر کے ان مسائل ومعاملات پر کھل کر گفتگو کی۔

راقم السطور کے روزنامچہ کے مطابق یہ باہمی مشورہ صاحبزادہ صاحب کے کمرہ نمبر ایک میں ہوا تھا اور اس میں مرکز سے متعلق مختلف مسائل جیسے حضرت جی کا حجرہ اور مولانا زبیر صاحب کی گیارہ بجے والی صبح کی دعا سے یہ مجلس شروع ہوئی اور طویل گفتگو مختلف موضوعات پر چلتی رہی۔

آج کی مجلس میں طے ہوا کہ جب تک حجرہ کی تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ وراثت ہے یا مسجد میں داخل ہے،اس وقت تک ان کی تین تالیاں بنوا کر مولانا اظہار الحسن، مولانا زبیر الحسن اور مولوی سعد کو ایک ایک دے دی جائے اور صبح کا مشورہ اس میں ہوتا

---

[1] اس تیسری چیز مین یہ خوشنما تخیل اور یہ خوش فہمی بھی شامل تھی کہ یہ حجرہ آج تک امرائے تبلیغ کے قیام کے لیے مخصوص رہا ہے،اس لیے جو بھی اس حجرے میں رہے گا وہ پوری امت کا امیر ہوگا اور جو پوری امت کا امیر ہوگا وہ اس حجرے میں رہے گا۔

رہے اور یہ بھی طے ہوا کہ اوپر دو چھتی میں جس کی کتابیں ہیں وہ لے لیں۔

اس مشورہ کی اطلاع کاتب سطور کو سہارنپور میں جمعرات کی شام پانچ بجے ہوئی اور مولانا زبیر مرحوم کا پیغام ملا کہ تم دہلی آ جاؤ، چنانچہ یہ احقر جمعہ کی صبح بذریعہ بس روانہ ہو کر نماز جمعہ شاہدرہ میں پڑھ کر تین بجے دہلی مرکز پہنچا اور اسی دن یعنی ۱۱ر صفر جمعہ کو حجرہ کھولا گیا اور پہلی مرتبہ اس میں مشورہ ہوا اور پورے ۴۵ر دن بعد اسی حجرہ شریفہ میں مولانا اظہار الحسن کی وفات ہوئی۔

۱۷ر صفر ۱۴۱۷ھ/۴ر جولائی، ۱۹۹۶ء میں مجلس شوریٰ کے پانچ حضرات نے اندرونی اور بیرونی عوامل کی تیار کردہ گرما گرم فضا میں باہمی گفت وشنید اور اتفاق رائے سے اس مسئلہ کشمیر یا قضیہ فلسطین کو نمٹانے کے لیے جو امور طے کیے، ان کو اپنی ایک تحریر میں ان الفاظ کے ساتھ مرتب کر کے متعلقہ افراد کے حوالہ کر دی۔

یاد داشت

آج بتاریخ ۱۷ر صفر المظفر ۱۴۱۷ر جولائی ۱۹۹۶ء بروز جمعرات شوریٰ کے پانچوں حضرات مولانا محمد اظہار الحسن صاحبؒ، مولانا محمد عمر صاحبؒ، میانجی محراب صاحبؒ، مولانا محمد زبیر الحسنؒ اور مولوی محمد سعد صاحب نے مندرجہ ذیل امور مشورہ سے طے فرمائے۔

(۱) مسجد کی امامت اور بعد مغرب دعا مولوی محمد سعد صاحب کیا کریں گے۔ جماعتوں کی روانگی کی دعا اور مصافحہ مولانا محمد زبیر الحسن صاحب کیا کریں گے۔

(۲) مسجد سے متصل حجرہ، جس میں بڑے حضرت جی مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا قیام رہا، اس کے بارے میں طے پایا کہ جلد از جلد تحقیق کر لی جائے کہ حجرہ کی نوعیت کیا ہے، آیا یہ مسجد سے متعلق ہے یا زنانہ مکان میں شامل ہے؟

سر دست اس حجرہ کے استعمال کے متعلق یہ طے پایا کہ شوریٰ کے پانچوں حضرات روزانہ ۹ر بجے صبح کا مشورہ اس میں کیا کریں گے۔ مشورہ کے بعد یہ کمرہ بند کر دیا جائے گا۔

حجرہ کی ایک ایک کنجی مولانا اظہار الحسن صاحبؒ، مولانا محمد زبیر الحسن صاحبؒ اور مولوی محمد سعد صاحبؒ کے پاس رہا کرے گی۔

(۳) اس حجرہ کی دوچھتی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی جو کتابیں ہیں وہ مولوی محمد سعد صاحب لے سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کی جو کتابیں اور الماریاں ہیں نیز باہر جو سامان ہے وہ مولانا زبیر الحسن صاحبؒ لے سکتے ہیں اور جو کتابیں مدرسہ کاشف العلوم کی ہیں وہ اس میں داخل کردی جائیں۔

(۴) گھر کی خواتین بروز جمعہ صلاۃ التسبیح اور جمعہ کی نماز میں شامل ہونے کے لیے اس حجرہ میں آتی ہیں، اس بارے میں طے پایا کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

(۵) یہ تحریر آج ۱۹؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ بروز ہفتہ حضرات شوریٰ کو سُنا دی گئی اور ان کے ارشاد سے بطور یادداشت لکھ لی گئی۔

(۶) اس مشورہ میں عبدالحفیظ منیار، فاروق احمد، ڈاکٹر ثناء اللہ، محمد عثمان علی خاں اور محمد خالد صدیقی موجود تھے۔ یہ بھی طے پایا کہ یہی لوگ تمام ضروری کاغذات فراہم کر کے حضرات شوریٰ کے سامنے پیش کردیں۔ (بقلم محمد عثمان علی خاں)

اس مشورہ میں مذکورہ پانچ حضرات نے مسئلہ انخلاء کی نزاکت وخطرات کے پیشِ نظر مکان، مسجد اور حجرہ سے متعلق زمینی اور ملکیتی حقائق معلوم کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی۔ متعدد مرتبہ دفتر وقف بورڈ دہلی جا کر قدیمی کاغذات اور فائلوں کا امطالعہ کیا۔ قدیم وجدید بیع نامے پڑھے۔ زنانہ مکان کا ایک نقشہ تیار کیا گیا۔ جس کے لیے جناب فصیح الدین، قاضی حسین احمد دہلوی اور جناب الحاج محمد شفیع سے بار بار مراجعت کی گئی اور اس کے نتیجہ میں ایک چار صفحاتی رپورٹ ۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۷/ ۲۵؍جولائی ۱۹۹۶ء میں مرتب کر کے اراکین شوریٰ کی خدمت میں پیش کردی گئی۔

مورخہ ۱۷؍صفر ۱۴۱۷ھ/ جولائی ۱۹۹۶ء میں مجلس شوریٰ کے پانچواں حضرات کی

طرف سے ہونے والے اس تحریری معاہدہ کی روشنائی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی اور معاہدہ کو تحریری شکل دینے والوں نے ابھی اطمینان وسکون کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ عہد شکنی کی نئی نئی شکلیں سامنے آنے لگیں۔

☆ چنانچہ کچھ عرصہ بعد یہاں مستورات کو نماز تراویح ادا کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ جس کا سلسلہ کم و بیش چالیس سال سے حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کے زمانہ سے متواتر چلا آ رہا تھا۔

☆ نیز اسی ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں جب مولانا زبیر مرحوم اعتکاف کے لیے مسجد میں بیٹھ گئے تو یہ حکم بھی نافذ کردیا گیا کہ اس حجرہ سے گزر کر مولانا مرحوم کے زنانہ مکان میں آنے جانے اور وہاں سے سحری اور افطاری لانے لے جانے پر پابندی ہے۔

چنانچہ عزیزان مولوی زہیر، صہیب وخبیب وغیرہ آخری عشرہ میں گھر سے مسجد اور پھر مسجد کا صحن عبور کر کے مولانا مرحوم کے معتکف میں تمام کھانا پینا اور اس کے لوازمات لاتے اور واپس لے جاتے رہے۔

☆ اس کے بعد حضرت مولانا انعام الحسنؒ کا تمام سامان اور کتابیں اپنے معتمدین کے ذریعہ حجرہ کی دوچھتی سے نکلوا کر مولانا زبیر مرحوم کے کمرے میں بھجوادیں۔

خدام بارگاہ جب بغیر کسی اطلاع کے سامان اور کتابیں لے کر اچانک مولانا مرحوم کے کمرے میں پہنچے تو وہ حیران ہوگئے اور ان پر شدید اثر ہوا لیکن اپنی عادت اور معمول کے مطابق صبر کر کے خاموش رہے۔

☆ اس زمانہ میں صاحبزادہ صاحب پر اندرونی و بیرونی عوامل واسباب کی وجہ سے کچھ ایسا نشۂ قوت سوار تھا کہ مذکورہ واقعہ کے کچھ ہی دن بعد کھانے کے دسترخوان پر جب کہ بہت سے خواص بھی موجود تھے۔ انھوں نے مولانا مرحوم سے حاکمانہ اقتدار کے لہجہ میں فرمایا کہ مجھے حجرہ میں بیت الخلاء بنانا ہے لہٰذا وہاں سے الماریاں نکلوالیں۔

مولانا مرحوم نے جب اس حکم کی تعمیل میں کچھ تامل کیا تو وہ دستر خوان پر ہی ناراض ہوگئے اور ابھی اسی وقت تالیاں (چابیاں) طلب کیں اور پھر حسب تحریر مولانا زبیر مرحوم :

''بندہ نے حالات اور مصلحت اور مرکز کی رسوائی کو دیکھتے ہوئے کھانے کے بعد ان کی خدمت میں تالیاں بھیج دیں۔''

☆ تحریری معاہدہ کی رو سے تین تالیاں (چابیاں) تین اصحاب کے پاس رہنی طے تھیں لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ تالا ہی بدل دیا گیا۔

صاحبزادہ صاحب جب کہیں ذاتی سفر پر جاتے تو پھر صبح کا مشورہ اس حجرہ میں ہونے کے بجائے باہر ہال میں ہوتا اور تمام اہل مشورہ بشمول مولانا محمد یعقوبؒ، مولانا زبیر مرحوم، مولانا ابراہیم، مولانا احمد لاٹ، پروفیسر محسن صاحبؒ وغیرہ ایک بڑے مجمع کے ساتھ ہال ہی میں جمع ہو جاتے اور وہیں مشورہ کر لیتے۔

(۵) ایک ذیلی مجلس شوریٰ کا قیام اور اس کا انجام:

حضرت جی ثالث رحمۃ اللہ علیہ نے اس وسیع دعوتی کام کی حفاظت اور اس کو اپنے قدیمی نہج پر قائم رکھنے کے لیے جو عالمی شوریٰ تشکیل دی تھی اس کی افادیت اور نافعیت کو دنیا بھر کے ممالک میں کام کرنے والے دعوتی احباب نے بہت سراہا، غیروں نے اس کی اہمیت اور واقعیت کو تسلیم کیا، لیکن مشہور کہاوت ''چراغ تلے اندھیرا'' کے مطابق اپنوں کی سمجھ میں نہ اس کی افادیت و نافعیت آئی اور نہ انھوں نے اس کی اہمیت اور واقعیت کو دل و جان سے تسلیم کیا اور تسلیم بھی کیوں کرتے جبکہ وہ اس کو ۳۲ سالہ دور انعامی کا ایک بگاڑ یقین کیے ہوئے اور اس کو مستقبل میں اپنے لیے ایک کانٹا سمجھے ہوئے تھے۔

ماہ و سال اسی امید و بیم میں گزرتے چلے گئے یہاں تک کہ آٹھ سال گزر جانے کے بعد ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ/فروری ۲۰۰۴ء میں دعوت و تبلیغ کے بارہ اعلا سطحی افراد کو یہ داعیہ اور تقاضہ پیدا ہوا کہ اگر عالمی شوریٰ کو اپنا موثر کردار ادا کرنے کا موقع نہیں دیا جا رہا ہے تو کم از

کم ایک ذیلی شوریٰ بنا کر اتفاق رائے سے اس کے اراکین متعین کر لیے جائیں اور اس کے ذریعہ آپس کے اختلافی متنازعہ امور اجتماعیت یا اکثریت کی بنیاد پر طے کر لیے جائیں، چنانچہ نظام الدین مرکز کی حد تک ایک ذیلی مجلس شوریٰ کی تشکیل کی گئی اور دس اعلا سطحی افراد اس میں شامل ہوئے ان کے اسمائے گرامی بالترتیب اس طرح سے ہیں.....!

مولانا محمد یعقوب دہلی، جناب الحاج رحمت اللہ بنارس، مولانا محمد ابراہیم دیولہ گجرات، مولانا احمد لاٹ گجرات، مولانا اسماعیل گودھرا (گجرات)، جناب بھائی فاروق احمد بنگلور، جناب الحاج خالد صدیقی علی گڑھ، جناب الحاج ثناء اللہ علی گڑھ، جناب پروفیسر عبدالعلیم علی گڑھ، جناب پروفیسر محمد محسنؒ لکھنؤ، جناب الحاج سلمان بیگؒ علی گڑھ، جناب پروفیسر مسعود عبدالحئ پونہ۔

۲۲/ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ/۱۴/فروری ۲۰۰۴ء شنبہ میں ان مذکورہ حضرات کا انتخاب اتفاق رائے سے ہوکر اس کے حدود اور میدان عمل کے لیے پانچ دفعات پر مشتمل دستاویز اتفاق رائے سے مرتب ہوئی، اس کا مکمل متن یہ ہے:

(۱) یہ مجلس شوریٰ مولانا زبیر الحسن صاحبؒ اور مولانا سعد صاحب کے منتخب کردہ افراد پر مشتمل ہے۔ دونوں صاحبان نے یہ افراد اپنے اپنے طور پر تجویز کیے ہیں، اس لیے کسی فرد کی کمی پر اس کی جگہ جدید انتخاب بھی اسی کا حق ہوگا۔

(۲) اس مجلس شوریٰ میں وہ تمام دعوتی امور اور مرکز کے انتظامی امور و معاملات زیر غور آئیں گے جن پر یہ دونوں حضرات کسی وجہ سے متفق نہ ہوسکیں۔ ایسے امور پر اجتماعی مشورہ ہوکر فیصلہ ہوگا۔

(۳) ذاتی و خانگی معاملات میں جو امور باہمی طور پر طے نہ ہوسکیں مثلاً مکان رہائش وغیرہ ان پر بھی مشورہ سے فیصلہ ہوگا۔

(۴) تمام امور پر فیصلے اجتماعیت یا اکثریت کی بنیاد پر ہوں گے۔

(۵) دعوتی امور کے وہ معاملات جن میں آپس میں اختلاف رائے ہو اس مجلس میں بحث و

گفتگو کے لیے آئیں گے، پھر یہ مجلس اپنا فیصلہ ہر دو حضرات کے گوش گزار کرے گی لیکن اگر مجلس کا یہ فیصلہ کسی کو قبول نہ ہو تو اس وقت تک اس عمل کو مؤخر رکھا جائے گا جب تک کہ دونوں حضرات میں اتفاق رائے نہ ہو جائے۔ (فقط)

ابتدائی پانچ ماہ میں ان حضرات نے بڑی کڑھن اور دلسوزی کے ساتھ اپنی چار مجلسیں مختلف معاملات و مسائل پر غور کرنے کے لیے منعقد کیں۔

پہلی مجلس شوریٰ (منعقدہ ۳۰ر رجب ۱۴۲۵ھ/ ۱۷ر ستمبر ۲۰۰۴ء جمعرات) کے بعد دوسری مجلس کے انعقاد سے قبل مولانا زبیر مرحوم نے اس شوریٰ کے قیام پر اپنے اطمینان و مسرت اور بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کام کے تحفظ و بقا کے لیے اپنے اندرونی جذبات اور دلی احساسات کے اظہار کے لیے جن الفاظ کا سہارا لے کر ان کو تین مکتوبات کی شکل میں اراکین شوریٰ کو پیش کیا، وہ دعوت و تبلیغ کی اسّی (۸۰) سالہ تاریخ میں ایک سنگ میل اور شبِ تاریک میں قندیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے یہاں ان کا مکمل متن پیش کیا جاتا ہے:

پہلا خط

مکرمان و محترمان بندہ.....زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے دعوتی معاملات و مسائل کو سلجھانے کے لیے یہ جو ایک تدبیر و کوشش مجلس شوریٰ کی شکل میں سامنے آئی ہے، اللہ رب العزت اس کو ہم سب کے لیے اور مرکز کے لیے باعثِ خیر فرمائے اور ابواب خیر کے مفتوح ہونے اور ابواب شر کے بند ہونے کا اس کو ذریعہ فرمائے۔ آمین

اس دوسرے اجلاس میں رکھنے کے لیے بندے کے ذہن میں چند مسائل ہیں، امید ہے کہ ان پر غور و فکر ہوگا۔

۱۔عزیز مولوی سعد سلمہ نے اپنے طور پر جو فہرست شرکاء آپ حضرات کو دی تھی، اس میں مولانا احمد لاٹ صاحب کا نام بھی تھا، مگر پہلی شوریٰ میں عین وقت پر مجھے بتایا گیا کہ ان کا نام اب نہیں ہے۔

مجھے اس اطلاع سے تعجب ہوا۔ مولوی (احمد لاٹ) صاحب موصوف قدماء میں سے ہیں دعوت و تبلیغ اور مرکز کے مقیمین میں صاحب بصیرت افراد میں ہیں۔ والد ماجد مرحوم ان کی تقاریر سے نہ صرف مطمئن تھے بلکہ ان کو مؤثر سمجھتے تھے۔

اس لیے بندہ کی رائے میں آپ حضرات ان کو اپنی شوریٰ میں ضرور شامل کرلیں۔ ان شاء اللہ عالمی سطح سے بھی مفید ہوگا۔

۲۔ بندہ نے اپنے گذشتہ عریضہ میں لکھا تھا کہ ہم میں اپنے بڑوں کے اعتبار سے نہ وہ جذبہ ہے اور نہ قربانی اور اخلاص ہے، اس لیے کوشش اس کی کرنی ہے کہ بس ان ہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں خواہ وہ دعوت کے مسائل ہوں یا مرکز کے معاملات۔ اس میں ان شاء اللہ فتنوں سے بھی حفاظت ہے اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچاؤ بھی ہے۔ فقط

پانچویں مجلس جو ۲۷/۲۸/۲۹ر نومبر ۲۰۰۴ء/۱۳/۱۴/۱۵ر شوال ۱۴۲۵ھ میں منعقد کی گئی تھی۔ اس میں بحث و گفتگو کے لیے ان حضرات نے ضروری سمجھا کہ مولانا زبیر مرحوم سے بھی باہری حجرہ اور خانگی معاملات (خصوصاً رہائشی مکان کی تقسیم) پر ان کے خیالات واحساسات معلوم کر لیے جائیں۔ چنانچہ انعقاد مجلس سے کم و بیش دو ماہ قبل ۶ر اکتوبر ۲۰۰۴ء/۲۰ر شعبان ۱۴۲۵ھ میں ارکان شوریٰ کی جانب سے جناب الحاج سلمان بیگ مرحوم نے مولانا زبیر مرحوم کو ایک مکتوب بھیج کر ان کے خیالات واحساسات یا بالفاظ دیگر مسائل ومشکلات دریافت کیے۔ اس پر مولانا مرحوم نے ذیلی شوریٰ کو یہ مکتوب تحریر کیا۔

دوسرا خط

مکرمان محترمان بندہ.....زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔آپ حضرات کے گزشتہ اجلاسِ شوریٰ میں زنانہ مکان کے متعلق جوامورزیرگفتگوآئے ان کے تعلق سے جناب بھائی سلمان بیگ صاحب کا ایک مکتوب محررہ ۶/اکتوبر ۲۰۰۴ء میں مع تحریرعزیزمولوی سعد سلمہٗ موصول ہوا۔

میں نے سابقہ خط میں کام اوراس کے نہج کی حفاظت سے متعلق تحریرارسال کی تھی جویقیناً ملاحظہ سے گزری ہوگی۔

میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں ہے کہ اس اجتماعی کام کے مقابلہ میں شخصی اورانفرادی کام کواہمیت دی جائے،اس لیے کہ یہ مجلس شوریٰ صرف اس لیے نہیں بنی کہ میرے یا عزیزمولوی سعدسلمہ کے مکان کا مسئلہ حل کردے اور پھراس کی چھٹّی کردی جائے بلکہ اس کا اصل کام یہ ہے کہ ان جملہ بدعنوانیوں پرنگاہ رکھے جس سے دعوت کا یہ عالمی کام متاثر ہورہاہےاور دنیا بھرمیں ہمارے مرکز (نظام الدین) کی سبکی ہورہی ہےاورکام دو''رُخ'' پرجارہاہےجن میں ایک رخ ہمارےقدیم اکابر کاہےاوردوسرارخ جدیداکابرکاہے۔

فی الوقت میراخیال یہ ہے کہ آپ حضرات گزشتہ بےعنوانیوں کی اصلاح کی فکر فرماتے ہوئے آئندہ اقدامات فرمائیں۔

مثلاً باہر کے حجرہ کا مسئلہ ہے تقریباً دس بارہ افراد(بشمول مولانااظہارالحسن صاحبؒ وعزیزمولوی سعدوبندہ زبیرالحسنؒ) کے دستخطوں سے ایک تحریرمرتب ہوکر جوکچھ اس حجرہ سے متعلق طے ہواتھااب اس کے بالکل خلاف اور منافی عمل ہورہاہے۔لیکن دستخط کنندگان حضرات جن میں سے بعض اس وقت شوریٰ میں

موجود ہیں اس بے اصولی اور بدعنوانی کو روک نہیں سکے۔ یہاں تک کہ مجھے ایک بہت مختصر سے زبانی اور تہدیدی نوٹس پر اپنا تمام سامان وہاں (حجرہ) سے نکالنا پڑا۔ دوچھتی میں سے والد ماجد مرحوم کا تمام سامان اور ان کی کتابیں واپس لینی پڑیں کہ عزیز موصوف سلمہٗ نے اوپر سے تمام سامان اور کتابیں اپنے ۲۔۳ خدام کے ذریعہ اٹھوا کر نیچے حجرہ میں رکھوادیں اور مجھے اطلاع بھجوادی کہ اپنا سامان اٹھوالیں۔

بندہ نے اس جبری حکم کے آگے کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے سب سامان اٹھوالیا۔

کچھ دن گزرنے کے بعد انھوں نے دوپہر کے کھانے پر مجھے امر فرمایا کہ حجرہ میں بیت الخلاء بنانا ہے۔ لہٰذا وہاں (والد صاحب مرحوم کی) جو الماریاں کھڑی ہیں ان کو نکلوانا ہے۔ بندہ نے کچھ تامل کیا تو وہ دسترخوان پر ہی ناراض ہوگئے۔ ان کا کہنا تھا کہ (الماریوں کی) تالیاں فوراً مل جائیں، یہ کام ابھی اور اسی وقت ہوگا۔

بندہ نے حالات اور مصلحت اور مرکز کی رسوائی کو دیکھتے ہوئے کھانے کے بعد ان کی خدمت میں تالیاں (چابیاں) بھیج دی تھیں۔

حضرات اہل شوریٰ کو میں یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ اوپر دوچھتی کے دو حصے ہیں، پشت کی جانب پختہ حصہ (کمرہ) والد ماجد مرحوم کی علالت اور یکسوئی کے پیش نظر بھائی یوسف رنگ والوں نے تیار کرایا تھا، لیکن وہ بھی اسی حکم شاہی کی نذر ہوگیا۔

مجھے رہ رہ کر یہ احساس ہوتا ہے اور اس احساس سے کلفت ہوتی ہے کہ اگر حجرہ کے متعلق طے شدہ تحریر پر عمل ہوجاتا تو بندہ مسجد کی جماعت سے محروم نہ رہتا، اب مجھے گزشتہ ۱۰ر سال سے خارج مسجد نماز ادا کرنی پڑ رہی ہے، اپنی معذوری کی وجہ سے عربیہ (وہیل چیر) پر ہر نماز میں وہاں جانے اور ہٹو بچو کر کے راستہ بنانے میں بھی شرم آتی ہے۔ اس لیے بندہ کی گزارش ہے کہ ان مسائل اور معاملات کو حل کرلیا جائے، جن میں طے شدہ ہونے کے باوجود خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ فقط

اس مذکورہ تحریر کے ساتھ ساتھ ارکان شوریٰ کی خواہش پر مولانا مرحوم نے مرکز کے اندرونی احوال ودعوتی عمل سے متعلق بعض خطرات کی نشاندہی کرتے ہوئے تیسرا مکتوب اور بھی ارسال کیا تھا۔

اس مرحوم شوریٰ کے آخری پانچویں اجلاس میں (جو انتہائی گرما گرمی کے ماحول میں ہوا تھا) مولانا زبیر مرحوم کی جانب سے پڑھی جانے والی حقائق اور واقعات سے بھرپور یہ تیسری تحریر اُن کی مظلومیت کی داستان ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے بلاخوف لومۃ لائم کلمۂ حق کہنے کی ایک مضبوط اور مؤثر شہادت بھی ہے اور ان کو ایک بڑے باپ کے بڑے بیٹے ہونے کی حیثیت سے یہی کرنا چاہیے تھا۔[1]

تیسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب زادمجدہ کا پیغام ملا کہ بندہ آپ حضرات کی اس مجلس شوریٰ میں پیش کرنے کے لیے کچھ مسائل لکھ کر دے اور جو چیزیں قال اصلاح ہیں، ان کی فہرست مرتب کرے۔

---

[1] اور اس بڑے باپ کی جولانیوں اور کلمۂ حق کو بہت دور تک پہنچانے کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۷۷ء کی خون آشام ایمرجنسی میں وقت اور موقعہ کی سنگینی اور خطرات کے تمام تر احساس کے باوجود ایمانی غیرت اور حمیت کا حق ادا کرتے ہوئے محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ کو ان کے ایک پیغام کے جواب میں قبولیت اسلام کی دعوت دے دی تھی۔

حضرت شیخ اس وقت مدینہ طیبہ مقیم تھے۔ آپ کے علم میں جب اس دعوت کی تفصیلات آئیں تو آپ نے اپنے مکتوب (محررہ ۱۶/اپریل ۱۹۷۷ء میں) حضرت جی ثالث کو ان کی خدمت میں یہ کلمات تحسین وتبریک تحریر فرمائے کہ :

''آپ کا جواب بہت ہی اہم ہے، اللہ جل شانہ آپ کو بہت ہی بلند درجہ عطا فرمائے۔ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ میں نے اپنے آپ کو بہت ٹٹولا اور بہت ہی ندامت ہوئی کہ میں تو اس جواب کی جرأت نہیں کرسکوں تھا۔''

۱۔ بندے کی نگاہ میں والد ماجد حضرت جی (مولانا انعام الحسنؒ) کے بعد مرکز کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس دعوتی کام کی حفاظت کس طرح ہو اور کیسے اس کام کو اسی نہج پر باقی رکھا جائے جس پر ہمارے بڑے ہم کو ڈال کر گئے ہیں۔

آپ سب حضرات اس چیز سے بخوبی واقف ہیں کہ مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم کا جو طریقہ اس دعوتی کام کا تھا اسی پر والد ماجد مرحوم آخر دم تک قائم رہے جس کی برکت سے کام سارے عالم میں ایک ہی طرز و فکر پر رہا، لیکن اب ہماری شامت اعمال سے یہ بات ختم ہوتی جارہی ہے اور ہر جگہ مختلف ذہن بن رہے ہیں جن سے کام میں نقصان اور ضعف آرہا ہے، مردوں کا کام بھی متاثر ہو رہا ہے اور مستورات کا بھی، پرانوں میں بھی دو ذہن ہو رہے ہیں۔

آپ حضرات اس کام کے نہج اور طریقہ کار سے خوب واقف ہیں۔ نبویؐ طرز و طریقۂ اسلاف، یہ اس کام کی جان ہے اور ہمارے مرحوم حضرات اسی طرز پر کام کر گئے ہیں۔ اس لیے البرکۃ مع اکابرکم کے اصول پر ہمیں ہر حال میں اسی نہج کو قائم دائم رکھنے کی بھرپور جدوجہد کرنی چاہیئے۔ اگر خدانخواستہ یہ مبارک طریقۂ عمل ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اور نئی نئی شکلیں سامنے آتی چلی گئیں تو پھر اس کا کہیں اختتام نہیں ہوگا۔

اس لیے میں تو یہی عرض کروں گا کہ یہ مجلس شوریٰ کام کے تقاضوں اور اس کے اصول وضوابط کو ہی سامنے رکھے اور یہ سوچے کہ ہم اپنے اکابر کے نقوش قدم سے اگر تھوڑا سا بھی ہٹے تو اس میں صرف ہمارا ہی نقصان نہیں بلکہ پوری امت کا نقصان ہے اور کام کا ضیاع ہے۔ اللہ جلّ شانہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

۲۔ اس کے ساتھ ساتھ آپس کا جوڑ بھی بہت قیمتی دولت ہے، رائے کا اختلاف کوئی مضر چیز نہیں، لیکن شیطان لعین اس راہ سے بہت دھوکا دیتا ہے کہ میری رائے صحیح ہے، باقی سب غلط ہے۔ یہ چیز ہمارے اندر کی اجتماعیت کو ختم کر رہی ہے۔ اللہ جلّ شانہ اپنا

فضل فرمائے اور ہمیں کام کی قدر اور اس کی استعداد عطا فرمائے۔

ہمارے اندر نہ بڑوں جیسی فکر ہے اور نہ ان کی جیسی قربانی ہے، اس لیے اب تو ان کے بتلائے ہوئے اصول ہی ہمارے لیے اور اس کام کے لیے راہنما ہیں۔

۳۔ کام کے اعتبار سے اور اپنے مرکز کی چہار دیواری کے اعتبار سے جو مسائل اور مشکلات ہیں ان کا بخوبی علم آپ سب حضرات کو بھی ہے، بندہ کی نگاہ میں ان سب کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم اپنی سمجھ بوجھ کو اپنے بڑوں کی سمجھ بوجھ کے تابع کردیں اور یہ دیکھ لیا کریں کہ بڑوں کی ترتیب کیا رہی اور انہوں نے ایسے موقع پر کام کو اور اس کی نزاکتوں کو کیسے سنبھالا، نہ یہ کہ ہم ان کی اور ان کے کام کی تنقید و تنقیص کر کے اس کی اصلاح شروع کردیں۔ اگر خدانخواستہ ہماری یہ سوچ رہی تو بڑے نقصانات کا اندیشہ ہے۔

نوٹ:۔ بندہ نے مذکورہ بالا تحریر لکھ کر اراکین مجلس شوریٰ کو بھیج دی تھی، اس کو ملاحظہ کر کے ان حضرات نے یہ رائے دی کہ اس میں ایسے چند مسائل اور مشکلات کا اضافہ ضروری ہے، جن پر مجلس شوریٰ غور کر سکے۔ اس لیے عرض ہے کہ :

۱۔ بندہ کے نزدیک منتخب احادیث کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ ہمارے کام کرنے والے اس کی وجہ سے بہت متفکر ہیں۔ مختلف زبانوں میں بغیر کسی مشورہ کے اس کے تراجم کرادیے ہیں اور اب کوشش اس کی ہو رہی ہے کہ وہ اب جماعتوں اور تعلیم کے حلقوں میں اسی طرح پڑھی جائے، جیسے کہ فضائل اعمال پڑھی جاتی ہے۔ کثرت سے خطوط میں اور زبانی کارکنان اس کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کے متعلق سوالات کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے بہت انتشار ہے۔ خود ہمارے یہاں گھر میں بلا کسی مشورہ اور اجتماعی رائے کے اس کو شروع کرادیا گیا۔ ارکانِ شوریٰ کے علم میں یہ بات آجانی چاہیے کہ منتخب احادیث کی طرح خود میرے والد ماجد مرحوم کی ایک کتاب الابواب المنتخبة من المشكوٰة ہے جو انھوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے حکم سے مرتب کی تھی، لیکن بندہ کو آج تک بھی اس کا

خیال نہیں آیا کہ ساری دنیا میں اس کے ترجمے کرا کر اس کو عمومی تعلیم کی کتاب بنادوں، کیونکہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ چل نکلا تو اس کو روکنا مشکل ہو جائے گا۔

اس لیے بندہ کی قطعی رائے ہے کہ عمومی تعلیم صرف فضائل اعمال کی ہی ہونا ضروری ہے، جیسا کہ ستّر سال سے ہوتی آ رہی ہے۔ انفرادی مطالعہ میں بے شک اس کو پڑھا جائے۔

۲۔ زنانہ مکان کے متعلق بندہ زبانی بھی عرض کر چکا ہے کہ باہر کا مردانہ حجرہ (ایک اجتماعی تجویز کے خلاف) مولوی سعد سلمہ لے چکے ہیں اور والد ماجد مرحوم کا تمام سامان اور کتابیں وغیرہ وہاں سے نکلوا چکے ہیں، پھر اندر کے مکان پر ان کا صرار کیوں ہے؟ پہلے حجرہ سے متعلق تجویز پڑھ لی جائے جس پر سب کے دستخط بھی ہیں، اس پر غور فرمائیں کہ وہاں اجتماعی فیصلہ کے خلاف کیوں عمل ہوا؟

نیز ارکان شوریٰ زنانہ مکان کا بھی جائزہ لے لیں اور پیمائش کر لیں کہ کس کے پاس کتنا حصہ ہے اور کس کے پاس کتنے کمرے ہیں اور اس کی ضرورت کتنی ہے؟ اس کے علاوہ مکان کے مسئلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کی حق ملکیت کس کی ہے، اگر وہ عزیز موصوف کی ہے تو شرعاً ان کا حق ہے، میں اس حق سے انکار نہیں کر سکتا اور اگر ان کی ملکیت نہیں ہے، تو پھر فضول اصرار ترک کر دیں۔

باہر کے حجرہ کے متعلق مجھے اس کا بہت احساس ہے کہ اگر فیصلہ پر عمل ہوتا تو مجھے مسجد کی باجماعت نمازیں مل سکتی تھیں، لیکن اب معذوری کی وجہ سے اپنے حجرہ کے پاس ہی پڑھنی پڑتی ہے۔

۳۔ ایک گزارش یہ ہے کہ مسجد وارکام بہت اہم ہے لہٰذا اس میں کوئی اضافہ استقبال کی جماعت یا کسی بھی شکل میں ایسا اضافہ جو بڑوں کے زمانے میں نہ ہوا ہو بالکل غیر مناسب اور کام کے لیے مضر ہے۔ اس پر ضرور غور فرمایا جائے۔

۴۔ بندہ کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ مقیمین مرکز سے ہر ایک سے ان کی صلاحیت اور استعداد کے موافق کام لیا جائے، اپنے اعتبار سے نہ ان کو جانچا جائے اور علی گڑھ کے

احباب کا زیادہ سے زیادہ قیام یہاں ہونا چاہیے تا کہ مرکز کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں اور مشکلات بھی حل ہوتی رہیں۔ فقط والسلام

بندہ محمد زبیر الحسن کاندھلوی

راقم سطور کو اگر دعوتی و تبلیغی احباب معاف فرمادیں تو یہ عرض کرنے کی جرأت کروں کہ آپ حضرات کو اس کام کے نہج و منہج اور اکابر کے طریقہ پر اس کو باقی رکھنے کا اتنی شدت اور قوت کے ساتھ داعیہ اور اس کے لیے میدان عمل میں اترنے کا تقاضہ مولانا زبیر الحسن مرحوم کے حادثۂ وفات کے بعد پیدا ہوا، لیکن مولانا مرحوم کی یہ تحریرات اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں کہ مرحوم کی آنکھیں بہت دور تک دیکھ رہی تھیں اور وہ اپنی زندگی میں ہی اس کام کو اکابر کے طریقہ پر قائم و باقی رکھنے کے لیے اس کا داعیہ و تقاضا اپنے دل و دماغ میں موجزن پا رہے تھے اور یہ یقیناً جلیلین (حضرت مولانا محمد زکریاؒ شیخ الحدیث اور مولانا محمد انعام الحسن حضرت جی ثالثؒ) کی حسن تربیت اور ان کے جوتے سیدھے کرنے کی برکت اور اس کے اثرات و ثمرات تھے۔

یہاں بے اختیار علامہ حالی کا ایک شعر نوک قلم پر آ گیا، آپ بھی پڑھ لیں :

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

اس ذیلی مجلس شوریٰ کی یہ پانچویں آخری نشست تھی اور اس کا خاتمہ اس وقت ہو گیا جب اس مجلس میں موجود سب سے کم عمر رکن شوریٰ نے جس کے تین دن بھی دعوتی اصول، تقاضوں اور اس کے آداب کو سامنے رکھ کر نہیں لگے تھے، سب سے معمر اور قدیم داعی و مبلغ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہاں تک کہہ دیا کہ :

''تم کیا جانو کام کو، کام کو تو میں لے کر چل رہا ہوں۔''

لیکن سچی اور خدا لگتی بات یہ ہے کہ نومبر ۲۰۱۵ء کے اجتماع رائیونڈ میں عالمی

شوریٰ کی تشکیل اور بین الاقوامی سطح پر اس کا استقبال و پذیرائی اور حج (ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ) اور اجتماع رائیونڈ (نومبر ۲۰۱۶ء) نے ساری دنیا کو واضح لفظوں میں یہ پیغام دے دیا ہے کہ کوئی بھی شخص اس دعوتی کام کو لے کر نہیں چل رہا ہے بلکہ کام ہی سب کو لے کر چل رہا ہے۔

کاتب سطور مرکز تبلیغ کے بہت سے اندرونی و بیرونی احوال اور داخلی وخارجی معاملات سے واقف رہا ہے، وہاں کے متعدد چڑھاؤ اتار اور رونما ہونے والے واقعات کچھ تو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے ہوئے ہیں اور بہت کچھ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے روز ناموں، مخفی تحریروں اور خطوط کے ذخیروں سے علم میں آئے ہوئے ہیں۔ خاص طور سے ایک مخصوص علاقے کے مخصوص ذہنیت رکھنے والوں کو احوال واقعات جو حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے بعد وہاں رونما ہوئے اور جن کی روک تھام کے لیے مخدومنا حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے اپنی روحانی قوت، ایمانی فراست اور مومنانہ بصیرت سے سدّ سکندری کھڑی کر دی تھی۔

ان وجوہات سے کاتب سطور کی شدید خواہش بلکہ کوشش رہی کہ یہ مجلس شوریٰ مضبوط اور پائیدار شکل اختیار کر لے تو اس کے ذریعہ بہت سے فتنوں کے سوراخ بند کیے جا سکتے ہیں اور بہت سے ایسے حملوں کا دفاع کیا جا سکتا ہے جو مرکز کی چہار دیواری میں کودنے اور پھاندنے کے لیے اپنے پر تول رہے ہیں اور اس کی عظمت و سالمیت کو شدید نقصانات مستقبل میں پہنچا سکتے ہیں، لیکن قدر الله و ماشاء۔

مذکورہ بالا فکر وسوچ کے پیشِ نظر اس مجلس شوریٰ کے قیام کے لیے وقت وقت پر جو کوششیں راقم سطور کی جانب سے ہوئیں ان کے متعدد اندراج اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ روز نامچہ میں مذکور ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس کو فساد سمجھتا ہے تو میرے شیخ کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ کے الفاظ میں ''میری پاپوش سے۔''

یہاں بلا خوف ''**لومة لائم**'' بطور نمونہ پہلا اور آخری اندراج اس یقین کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ کسی کا بھی سبّ وشتم نہ حق کو دبا سکتا ہے اور نہ اس کو کچل سکتا ہے اور نہ

ہی وقتی اچھل کود کوئی دائمی پختگی اور مضبوطی دے سکتی ہے۔

ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ کے پہلے عشرہ میں جناب الحاج رحمت اللہ بنارسی سے اس ذیلی شوریٰ کے بارے میں چند ضروری مشورے پہلے سے متعین تھے، لیکن انہی ایام میں مظاہر علوم کے حوالہ سے لکھنؤ اور الہٰ آباد کا ضروری سفر سامنے آ گیا۔ اس لیے بہت بھاگ دوڑ کر کے لکھنؤ، الہٰ آباد اور دہلی کے سفر کیے گئے۔ یہ تینوں سفر بندہ کی نگاہ میں بہت اہم اور ضروری تھے اور ان میں تاخیر اور تعویق سے دونوں جگہ نقصانات کا اندیشہ تھا۔

☆ اس بھاگ دوڑ کا کچھ اندازہ کاتب سطور کے روزنامچہ میں درج سفرنامہ سے ہوتا ہے، شکر نعمت کے طور پر یہاں اس سلسلہ کے دو نقولات پیش کی جاتی ہیں۔

۲۸ر مئی ۲۰۰۴ء/ ۸ر ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ جمعہ ساڑھے دس بجے شب میں سد بھاؤنا ایکسپریس سے شاہد روانہ ہو کر صبح شنبہ نو بجے لکھنؤ پہنچا اور امور متعلقہ مدرسہ انجام دیے، مغرب سے عشاء تک عابد علی صاحب وکیل سے مختلف مشورے ہوتے رہے۔ اتوار کی صبح ان سے ملاقات کر کے جامعہ مظاہر علوم کے خلاف دائر ہونے والی رِٹ پٹیشن نمبر ۲۷ر۲۷ پر خصوصی مشورہ ہوا اور اسی وقت بارہ بجے بڑی گرمی و دھوپ میں بذریعہ بس لکھنؤ سے الہ آباد کے لیے روانگی ہو کر مغرب کے وقت وہاں پہنچا۔ عابد علی صاحب چونکہ ساتھ تھے اس لیے ہوٹل میں قیام کیا گیا اور شب میں دس بجے تک مظاہر علوم کے دو قانونی مشیر گروور صاحب اور روی کرن جین صاحب سے مل کر ان مقدمات کا جائزہ لیا گیا، جو مفتی مظفر صاحب مرحوم نے مجلس شوریٰ کے حدود و اختیارات کے سلسلہ میں دائر کر رکھے تھے۔

پیر ۱۱ر ربیع الثانی کی صبح دس بج الہ آباد ہائی کورٹ گئے اور وہاں بھی ریکارڈ روم میں فائلوں کا معائنہ کیا گیا۔ بعد ازاں مختصر سا کھانا کھا کر ایک بجے اسی دھوپ و گرمی میں بس سے روانہ ہو کر بعد مغرب آٹھ بجے لکھنؤ پہنچا اور فوراً ہی اسٹیشن کے لیے روانہ ہو کر دس بجے دہلی کے لیے بذریعہ لکھنؤ میل روانہ ہوا چونکہ ریزرویشن پہلے سے نہیں

تھااس لیے ٹی ٹی سے بات کرکے ریزروڈبے میں بیٹھ گئے،سونے کی سیٹ نہیں مل سکی،اس لیے دوسیٹوں کے درمیان۔ڈبہ میں نیچےاپنابستر بچھاکرشب گزاری کی،اور صبح آٹھ بجے بعافیت دہلی پہنچا۔حاجی رحمت اللہ صاحب بنارسی سے آج کا دن بندہ کی ملاقات کا طے تھااس لیےمغرب تاعشاءان سےطویل مشورہ بابت اصول وضوابط ذیلی مجلس شوریٰ مرکز نظام الدین بموجودگی پروفیسر مسعودعبدالحئی (پونہ) ہوا۔

۲رجون کودہلی میں قیام کے بعد۳رجون کوصبح عزیزسلمان مدراسی کی گاڑی سے عزیز مولوی زہیر وسودہ سلمہا کوساتھ لے کر بخیر ود عافیت دوبجے سہارنپور پہنچا۔ لکھنؤاورالٰہ آباد کے اس سفر میں سوانح حضرت جی ثالث جلدسوم کی مکمل تلخیص اس احقر نے کی اورمولاناوثیق الدین صاحب ندوی کے حوالہ کی تاکہ وہ اس کی تعریب کردیں۔

☆ اس ذیلی شوریٰ کےتعلق سےدوسرااندراج یہ ہے:

''۲۷رشوال۱۴۲۵ھ/۱۱ردسمبر۲۰۰۴ءشنبہ میں مرکز کی مجلس شوریٰ بموجودگی جملہ ارکان ہوئی۔ان اراکین شوریٰ نے مولوی سعدکوبھی بلالیا،وہ آکرخوب برسے،سب سے زیادہ غصہ بندہ پرتھا،بار بار احقر کوبرا بھلا کہتے رہے۔شرکائے اجلاس کا کہنا ہے کہ اس پوری مجلس میں زبان فیض ترجمان سے پانچ مرتبہ اس احقر کو''خبیث'' کا تمغہ مرحمت فرمایا گیا۔

اراکین شوریٰ خصوصاً جناب الحاج رحمت اللہ صاحب (بنارس) نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اس شوریٰ کو بنوانے میں آپ شامل تھے،شاہدنہیں۔غصہ میں جواب دیا کہ میں نے جو تائیدی دستخط شوریٰ بننے پر کیے ہیں وہ میں واپس لیتاہوں۔کام تومیں کررہاہوں،آپ لوگ کام کیاجانیں؟وغیرہ وغیرہ۔''

مسلسل اورمتواتر نصف صدی تک اپنی جان،مال اوراوقات لگانے والےاراکین شوریٰ نے اس صورت حال سے متاثر اور رنجیدہ ہوکرنیز صاحبزادہ صاحب سے یہ سرٹیفکیٹ

حاصل کر کے متفقہ طور پر اسی وقت یہ شوریٰ ختم کر کے دونوں کو تحریری طور پر اُس کی اطلاع کر دی۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا اس آخری اور اختتامی شوریٰ میں سب سے زیادہ گالیاں راقم سطور پر پڑی تھیں۔ لیکن تیرہ سال مدت گزرنے کے بعد پوری خیر خواہی، دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ آج بھی راقم سطور اپنی اِس سوچ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہے کہ اگر اس ذیلی شوریٰ کا تعاون کیا جاتا اور انانیت و خودرائی اور ضد سے ہٹ کر اس شوریٰ کو کھلے دل سے قبول کر لیا جاتا اور اس کو کام کرنے کا موقعہ فراہم کیا جاتا تھا تو بہت سے فتنے اور حادثے اپنی موت آپ مر جاتے، اور وہ رسوائیاں ہرگز پیش نہ آتیں، جو بعد میں آئیں۔

لیکن حضرت حق جل مجدہٗ کو اپنے پیاروں کی عزت، ان کے نام و کام اور اس دعوتی عمل کے نہج و منہج کی حفاظت تو کسی نہ کسی طرح کرنی ہی تھی، اس لیے ایک کے بعد دوسرا سانحہ اور دوسرے کے بعد تیسرا حادثہ ایسے تواتر کے ساتھ سامنے آتا چلا گیا کہ اس نے سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی چھین لیا۔

اور پھر ان حوادث اور سانحات کے نتیجہ میں بہت سے منصوبے خود بخود زمین میں دفن ہوتے چلے گئے۔

(۶) رہائشی مکان اور اس کی تقسیم :

زمانۂ دراز سے مرکز نظام الدین دہلی کی ایک جانب میں ایک پختہ اور وسیع مکان زنان خانہ کے طور پر موجود چلا آ رہا ہے اور غالباً اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی کہ خود مرکز نظام الدین کی اپنی عمارت کی ہے۔

اس لیے کہ حضرت مولانا محمد الیاس کی زوجہ مرحومہ ہمیشہ اسی زنان خانہ میں مقیم رہیں اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔

مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا نکاحِ مسنونہ جب ۳ر محرم ۱۳۵۴ھ/ ۷ر اپریل ۱۹۳۵ء حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی صاحبزادی مسماۃ زکیہ خاتون سے ہوا تو وہ بھی سہارنپور سے دہلی پہنچ کر اسی مکان میں اتریں۔

بعدازاں مولانا محمد انعام الحسنؒ کی اہلیہ مرحومہ مسماۃ ذاکرہ خاتون صاحبہ (صاحبزادی حضرت شیخ) کا قیام بھی زندگی بھر اسی مکان میں رہا اور یہیں آپ نے آخری سانس لیا۔

پھر اس کے بعد مولانا محمد یوسفؒ کا نکاحِ ثانی حضرت شیخ کی تیسری صاحبزادی مسماۃ راشدہ خاتون صاحبہ سے ہوا تو ان کا قیام بھی وفات تک اسی مکان میں رہا۔

اور جب مولانا محمد اظہار الحسن مرحوم حضرت شیخ، حضرت مولانا محمد یوسف اور حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کے مشورہ سے مرکز نظام الدین آ گئے تو ان کی اہلیہ مرحومہ نے بھی اسی مکان میں سکونت اختیار کر کے یہیں اپنی زندگی کے لیل ونہار پورے کیے۔

نیز اپنی وفات سے کافی عرصہ قبل حضرت جی ثالثؒ مولانا محمد انعام الحسنؒ نے زنان خانہ کی بالائی منزل پر حضرت مولانا محمد الیاس کی نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے ایک کمرہ مولانا محمد طلحہ صاحب کے لیے بھی تعمیر کرا دیا تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ اللہ جل شانہ نے اس چہار دیواری میں بڑی برکت وسکینت مرحمت فرما رکھی تھی اور یہاں رہنے والوں کے سامنے ہمہ وقت **ومن دخلہ کان آمنا** کا منظر رہتا تھا۔

اسی کے ساتھ ساتھ مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد انعام الحسن نیز مخدومنا شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا مبارک وجود اور ان کی برکت سے یہاں خیر غالب تھی اور شر مغلوب، اس لیے قلوب میں اجتماعیت تھی اور سب باہم مجتمع تھے۔

راقم سطور کو اپنے بچپن کا وہ منظر آج بھی خوب یاد ہے کہ روزانہ بعد عصر اس کے صحن میں تین، چار پلنگ بچھا کرتے، درمیانی پلنگ پر مولانا محمد یوسفؒ اور دائیں وبائیں پلنگ پر اماں جی صاحبہ مرحومہ (یعنی والدہ مولانا محمد یوسف) اور مولانا محمد انعام الحسن تشریف فرما ہوتے، باقی مستورات اپنے اپنے حساب سے بیٹھتی تھیں۔

اس وقت چائے کا دور چلتا اور گھریلو امور ومعاملات کے ساتھ ساتھ

جماعتوں میں آنے والی مستورات (جن کی تعداد اس وقت بہت معمولی ہوتی تھی) کے متعلق گفت وشنید ہوتی اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلۂ خیال ہوتا۔

جمعرات کے دن یہ مجلس اس وجہ سے منعقد نہیں ہوتی تھی کہ بستی اور دہلی کی مستورات عصر سے عشاء تک یہاں ہونے والی اجتماعی تعلیم میں شرکت کی کرتی تھیں۔

مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا محمد انعام الحسنؒ کی باہمی رفاقت ومحبت کا نظارہ جس طرح پورے دن باہر مسجد میں آنے والا مجمع کرتا۔ اسی طرح ان حضرات کی محبت اور رفاقت روزانہ شام کو زنان خانہ میں بھی دیکھنے کو ملتی تھی اور یہ پورا زنان خانہ اس کا چشم دید گواہ بنتا تھا۔ [1]

تقدیر خداوندی سے جب حضرت مولانا انعام الحسنؒ کا دور مسعود ختم ہوکر ماحول حسد وعناد اور انتقامی جذبات سے تار تار ہوگیا اور بتیس سالہ بگاڑ کو دور کرنے کا موقع ہاتھ آیا تو بہت سے دیگر مطالبات کی طرح اس زنان خانے سے انخلاء کا مطالبہ بھی سامنے آنے لگا اور اس کے لیے پیہم تقاضے ومطالبے اور روز بروز اس کے لیے مختلف حیلے بہانے تراشے جانے لگے۔ یہاں تک کہ اس مسئلہ نے بھی بڑی شدت اور حدت کے ساتھ ایک کریہہ اور ناگوار شکل اختیار کرلی۔

اس معاملہ میں عامۃ الناس کا سب سے اذیت ناک اور دل ودماغ کو جھنجوڑنے

---

[1] ان ہر دو حضرات کی محبت ورفاقت کے گواہ آج بھی ہزاروں کی تعداد موجود ہیں لیکن یہاں بطور خاص حضرت شیخ کے حوالے سے ایک گواہی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی پیش کی جاتی ہے۔

اس گواہی سے قبل یہ تشریح ضروری ہے کہ دونوں حضرات کا شوال ۱۳۷۹ھ/ اپریل ۱۹۶۰ء میں اجتماع رائیونڈ میں شرکت کے لیے سفر کا مسئلہ درپیش تھا۔ مولانا انعام الحسنؒ اپنی علالت کی وجہ سے ہمت نہیں کر پا رہے تھے، جبکہ مولانا محمد یوسفؒ کی طبعی اور دلی خواہش آپ کو اپنا شریک سفر بنا کر رائیونڈ لے جانے کی تھی۔ حضرت شیخ کے دربار عالیہ میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے اس کو رائے پور دربار قادریہ پر محول کردیا۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

والا تبصرہ یہ ہوتا تھا کہ جب اپنے ہی گھر کو نہیں جوڑ سکے تو پوری امت کو کیا جوڑیں گے؟

مولانا زبیر مرحوم کے سامنے جس قدر جارحانہ انداز سے یہ مسئلہ آتا، وہ اس کو سن کر اور دیکھ کر صرف ایک جملہ کہہ کر اپنی بات ختم کر دیا کرتے تھے کہ:

''ماموں حضرت مرحوم اور والد صاحب ہمیشہ ساتھ رہے ہیں، ہم بھی ساتھ رہیں گے۔''

مولانا زبیر مرحوم اس معاملے میں اس قدر مطمئن یا حساس تھے کہ اس کے خلاف کچھ سننا بھی نہیں چاہتے تھے، لیکن یہ راقم سطور چونکہ اندرونی گھریلو ماحول میں بڑھتی ہوئی دھوپ اور گھٹتے ہوئے سایہ کا، اور بیرونی ماحول میں گھٹتی ہوئی روشنی اور بڑھتی ہوئی تاریکی کا خوب مشاہدہ کر رہا تھا، اس لیے ان کی اس رائے اور خواہش کا نہ تو مؤید تھا اور نہ حامی۔ بلکہ ہمیشہ مولانا مرحوم کو یہ مشورہ دیتا تھا کہ باوقار طریقہ پر گھر علاحدہ کر کے پُرسکون زندگی گزاری جائے، اس لیے کہ گھر گرہستی کے مسلّمہ اصول میں یہ بات شامل ہے کہ جس کو

چنانچہ حضرت مولانا اکرام الحسن (والد ماجد مولانا محمد انعام الحسن) حضرت شاہ عبدالقادر کی خدمت میں اس سلسلہ کے دو خطوط لے کر رائے پور پہنچے۔

اب حضرت شیخ کے مکتوب گرامی محررہ ۲۲ر صفر ۱۳۷۹ھ/ ۲۷ر اگست ۱۹۵۹ء کے حوالہ سے وہ گواہی پڑھیے جو مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا محمد انعام الحسنؒ کو ایک مشترکہ خط میں آپ نے تحریر فرمائی، لکھتے ہیں:

''ہر دو خطوط اسی وقت حضرت (رائے پوریؒ) کو کتاب کے سماع کے درمیان روک کر سنائے گئے بعد مغرب حضرت نے برادر اکرام کو بلا کر تنہائی میں فرمایا کہ میرے نزدیک تو مولوی انعام کو ساتھ ہی جانا چاہیے، اس لیے کہ ان کو مولوی یوسفؒ کی غیبت میں نظام الدین کا قیام دشوار ہوگا اور وقت ہوگی اور مولوی یوسفؒ کا بھی ان کے بغیر دل نہیں لگے گا۔ ماشاءاللہ دونوں کے تعلقات سے بہت دل خوش ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ''

چنانچہ حضرت رائے پوری کے اس مشورہ پر دونوں حضرات نے اجتماع رائیونڈ میں شرکت کی۔ اس اجتماع کی تفصیلات کے لیے پڑھیے سوانح حضرت جی ثالث جلد ۲، :۳۴۳ (اسی مصنف کے قلم سے'')

اپنے گھر میں سکون نہیں ملتا، اُس کو پھر پوری دنیا میں کہیں سکون واطمینان نہیں مل سکتا۔

تیزی کے ساتھ لیل ونہار گزر رہے تھے اور مولانا ظفر علی خان مرحوم (ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور) کے الفاظ میں مشقِ سخن کے ساتھ ساتھ چکّی کی مشقت بھی چل رہی تھی کہ مولانا مرحوم نے دہلی سے مجھے فون کیا کہ ایک ضروری بات کرنی ہے، اگر آج شام تک آجاؤ تو بہت اچھا ہے۔

چنانچہ راقم سطور (محمد شاہد) کے مرکز نظام الدین پہنچنے پر انھوں نے مختلف امور کے علاوہ ایک متقی، صالح، تہجد گزار کا ایک خواب جو سراسر ہمدردی اور غمگساری کا مضمون اپنے اندر لیے ہوئے تھا، سنایا! اس خواب میں حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ایک ایسی حقیقت کا اظہار تھا جس کی صداقت اور سچائی کا مشاہدہ ان ایام میں ہم سب کو بخوبی ہو رہا تھا۔ مشاہدہ نہیں بلکہ ہم سب اس کو جھیل رہے تھے۔

راقم سطور نے اس خواب کو سنتے ہی فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مولانا مرحوم سے گزارش کی کہ اب اس پر عمل درآمد میں تاخیر نہ کی جائے۔ اس لیے کہ خواب میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا حالات اور واقعات کی روشنی میں صحیح اور سچ ہونا آپ کو بھی معلوم ہے اور مجھے بھی معلوم ہے۔

چنانچہ اس مسئلہ کو انتہائی فکر وتشویش کی نگاہ سے دیکھنے والے حضرات جیسے مولانا ابراہیم صاحب (دیولا) مولانا محمد یعقوب صاحب دہلی، جناب فاروق احمد بنگلور، جناب بھائی خالد صدیقی صاحب، جناب ثناء اللہ خاں علی گڑھ، جناب الحاج رحمت اللہ انصاری بنارس اور جناب عبدالحفیظ منیار (سورت) کو مولانا نے اطلاع کرادی کے تقسیم مکان کی کارروائی کر لی جائے۔

چنانچہ اولاً پورے مکان کی پیمائش متعدد زادیوں اور طریقوں سے کرائی گئی پھر اس کو منصفانہ طریقے پر دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک واضح خط کھینچ دیا گیا اور مولانا مرحوم کی استغنا اور بے نیازی سے بھرپور اس وضاحت کے بعد کہ میرے لیے تو دونوں حصے برابر

ہیں، انھوں نے موجودہ رہائشی حصہ کو قبول کرلیا اور پھر فوراً ہی اپنے متعینہ حصّے کو پورے طور پر منہدم کرا کر نئی تعمیر کرالی اور خیر و عافیت کے ساتھ اس میں منتقل ہو گئے، اور پھر واقعتاً اللہ جلّ شانہ نے ایسی سہولت و رحمت اور سکینت قلب عطا فرمائی کہ اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ **اللھم لک الحمد کلہ و لک الشکر کلہ۔**

اللہ تعالیٰ بے حد جزائے خیر عطا فرمائے جناب الحاج حافظ شرافت اللہ دہلوی کو کہ انھوں نے پوری دلجمعی اور ذمہ داری کے ساتھ مولانا مرحوم کے اس مکان کو نہ صرف بہترین طریقہ پر تعمیر کرایا بلکہ سہولت اور راحت کے تمام گوشے بھی اس تعمیر میں ملحوظ رکھے۔ اور اس سلسلہ میں پڑنے والے کسی بھی طرح کے دباؤ سے وہ ہرگز متاثر نہیں ہوئے۔

اس موقع پر ۱۸؍جنوری ۲۰۰۶ء/ ۱۷؍ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ میں جو اہم دستاویزی معاہدہ تیار ہوا، اس کی نقل اور اس کا عکس دونوں شامل کتاب کیے جاتے ہیں۔

باسمہٖ تعالیٰ

بنگلے والی مسجد بستی حضرت نظام الدینؒ میں واقع ہمارے حضرات کا زنانہ مکان جس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور بعد میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور مولانا انعام الحسن صاحبؒ مقیم رہے اور اب ہم دونوں اس میں رہ رہے ہیں۔

ہم دونوں نے یہ محسوس کیا کہ اب دونوں خاندانوں کے افراد بڑھ گئے ہیں، بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ ہم دونوں کے اعزہ کی آمد بھی رہتی ہے۔

مکان میں ہماری رہائش کچھ اس طرح ہے کہ ایک طرف کے کچھ حصے میں ایک کا قیام ہے تو دوسری طرف سے کچھ حصے میں دوسرے کی رہائش ہے۔

ہم دونوں نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ مکان کے دو حصے کر لیے جائیں تا کہ ہر ایک اپنے اپنے حصے میں سہولت سے رہے اور ایک دوسرے کا تداخل نہ رہے۔

اس ضرورت کے پیشِ نظر ہم نے آپسی مشورے سے اور احباب کے مشورے سے اس کے دو حصے کیے ہیں اور اسے نقشہ بنا کر دو رنگوں میں دکھلایا ہے۔ مستقبل میں

دونوں کو اس کا اختیار ہوگا کہ اپنی ضرورت اور سہولت کے لیے اپنے حصے میں جس طرح چاہیں تعمیر کریں اور اس پر ہم دونوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

ہم دونوں اس بات کی بھی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مکان پر ہم میں سے کسی کو بھی ملکیت کا دعویٰ نہیں ہے اور نہ ہی یہ مسجد یا مدرسہ کا حصہ ہے، بلکہ ہمارے بڑوں نے اسے ہمارے لیے وقف کیا ہے۔

نقشے میں جو سبز رنگ دکھلایا گیا ہے اس میں مولانا زبیر الحسن صاحبؒ اور ان کے گھر والوں کا قیام رہے گا اور گلابی رنگ کے حصہ میں مولانا سعد صاحب اور ان کے گھر والوں کا قیام رہے گا۔

کل مکان کا رقبہ ۲۸۲ر مربع گز ہے اور ہر حصہ میں ۱۴۱ر مربع گز آیا ہے۔

اللہ رب العزت اسے توفیق قبولیت نصیب فرمائیں اور ہمارے آپس میں اور خاندانوں میں الفت ومحبت کے بڑھنے کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

محمد زبیر الحسن غفرلہ　　محمد سعد

گواہان : رحمت اللہ انصاری (بنارس)　　محمد یعقوب عفی عنہ (دہلی)

ثناء اللہ خاں (علی گڑھ)　　محمد ابراہیم غفرلہ (دیولہ)

بندہ خالد صدیقی (علی گڑھ)　　فاروق احمد (بنگلور)

یہ تمام لکھت پڑھت مکمل ہو کر ابھی اس پر عمل درآمد اور مولانا زبیر مرحوم کے یہاں تعمیری عمل شروع ہی ہوا تھا کہ صاحبزادہ صاحب نے محترم پروفیسر ثناء اللہ صاحب علی گڑھی کے ذریعہ مولانا مرحوم کو پیغام بھیجا کہ مکان کی تقسیم غلط ہوئی ہے۔ لہٰذا دوبارہ پیمائش کرائی جائے گی۔ اس لیے آپ اپنا تعمیری کام روک دیں۔

پروفیسر صاحب جب اس پیغام کو لے کر مولانا مرحوم کے پاس گئے تو ان کا جواب یہ تھا کہ اس معاملے میں شاہد سے بات کرو۔[1]

---

[1] اور راقم سطور کو ہمیشہ ایسے موقعوں پر بلا اختیار حضرت مولانا محمد یوسف صاحب یاد آجاتے تھے ان کا

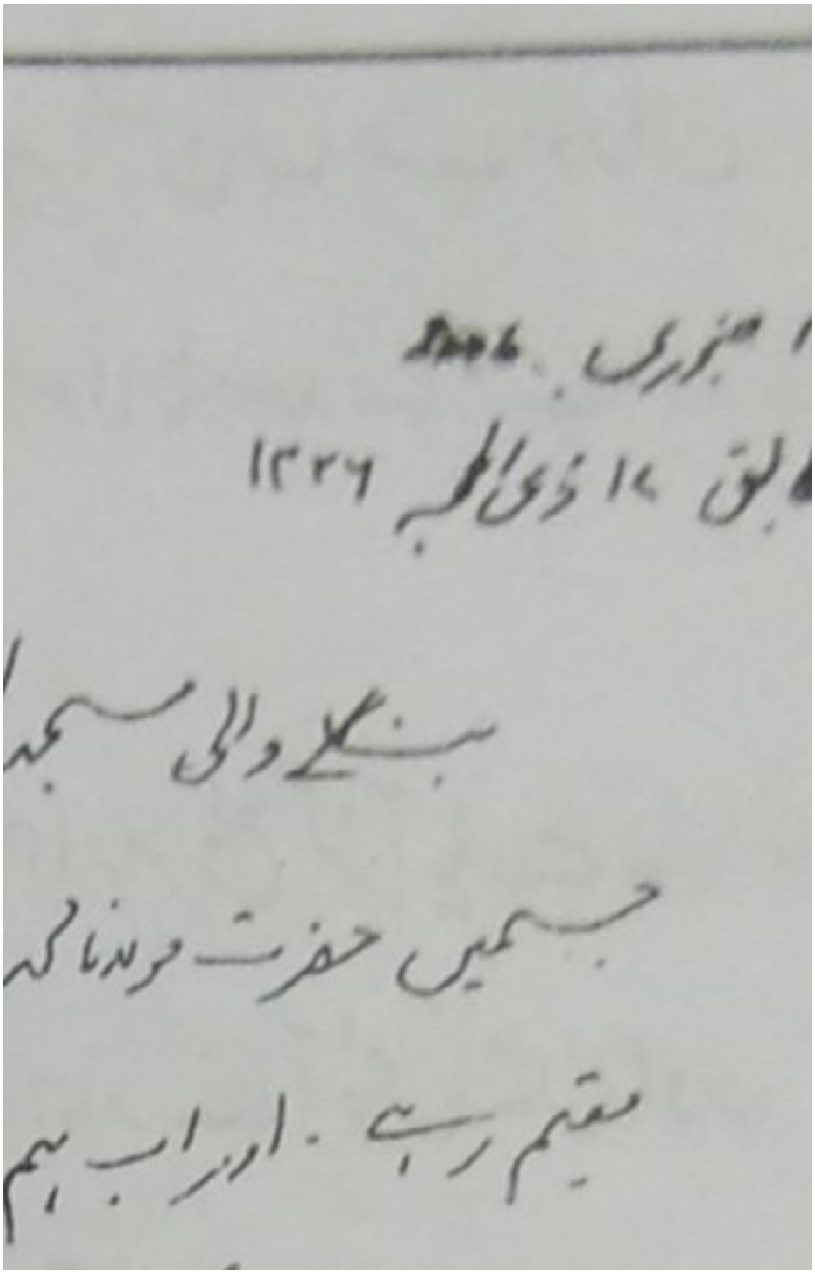

wali\002.jpg not found.

جب پروفیسر صاحب نے مجھ تک پیغام پہنچایا تو راقم سطور نے پہلے تو ان سے یہ وعدہ لیا کہ جو جواب میں دوں گا وہی آپ کو ''باب عالی'' تک پہنچانا ہوگا اور پھر ان کے وعدہ کرنے پر میرا جواب یہ تھا کہ :

''مکان کی تقسیم تو ہو چکی، اب اگر جی چاہے تو مرکز کی تقسیم کرلو، دو دن میں پتہ چل جائے گا کہ تبلیغ کدھر جاتی ہے۔''

راقم سطور کو یقین ہے کہ یہ جواب اسی طریقہ سے بابِ عالی میں پہنچ گیا تھا کیونکہ پھر یہ مطالبہ دوبارہ سامنے نہیں آیا۔

کا معول بھی یہی تھا کہ ایسے مواقع پر سوال کرنے والوں کے لیے ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ مولوی انعام سے پوچھ لو۔

دوضروری وضاحتیں:

۱۔شورائی اوراجتماعی نظام کے مقابلہ میں شخصی اورانفرادی نظام کواہمیت اورفوقیت دینے والے بلندمرتبہ قائدین میرے اس جواب کواپنی منفی فکروسوچ اوراپنے مزعومہ تخیلات کے اندھیروں میں رکھ کر نہ پڑھیں بلکہ حقیقت اورسچائی یہ ہے کہ یہ جواب دیتے وقت میرے کانوں میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ جیسے کاشفِ اسرارالٰہیہ اورمخزنِ انوارربانیہ کے یہ الفاظ گونج رہے تھے جوآپ نے اپنے ایک بہت ہی قریب ترین عزیز کوبطورِنصیحت یابطورفہمائش فرماتے تھے کہ:

''پیارے..... یاتومولوی انعام کی مان کرچل لے،ورنہ یہ تبلیغ کہیں اور چلی جائے گی''۔

۲۔حضرت جی ثالث کی وفات اورفتنون کی برسات کی جوتفصیلات قارئین نے پڑھی ہیں،اُن میں یقیناً کچھ فتنوں کاتعلق گھریلو معاملات اورخاندانی اختلافات سے تھا اوریہ کوئی بڑی بات نہیں تھی کیونکہ ہرخاندان میں کچھ نہ کچھ اختلافات ہوتے ہی ہیں لیکن یہاں اختلاف بلکہ حسد وعناداس زُعمِ فاسد کی وجہ سے تھا کہ حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسفؒ کے بعدامارت اوردعوتی کام کی ذمہ داری حضرت جی ثالث مولانا محمدانعام الحسنؒ کی طرف کیوں منتقل ہوئی؟

چونکہ یہ ہنگامے ذاتی اورگھریلونوعیت کے تھےاس لیےاس کادائرہ اثرمحدود سے محدودرہا۔اورمولانا زبیرالحسن مرحوم کے حدسے زائدتحمل،دوراندیشی اورتدبُّر کی وجہ سے یہ مرکز کی چہاردیواری سے باہرنہیں نکل سکا۔لیکن مرحوم کے حادثۂ فاجعہ کے بعد جب کھلا اوروسیع میدان ہاتھ لگ گیا توملفوظات، تقاریراور بیانات میں پرواز بہت اونچی ہوگئی اورقرآن وسنت کی من مانی تشریحات ،دل پسندتعبیرات اوراپنے ذوق کے مطابق تاویلات وتفسیرات اورفقہی نکات کھلم کھلاعوامی مجمع میں سنائے جانے لگےتواس وقت یہ ہنگامےاوراختلافات ذاتی اورگھریلونوعیت کے نہ رہ کرعالمی اوربین الاقوامی بنتے چلے گئے

اور پھر اس کے نتیجہ میں مفتیان کرام کے بہت سے فتاویٰ سامنے آ گئے اور مختلف علماء کی متعدد تصنیفات وتالیفات عوام کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں تو پھر انتہائی مجبوری میں عالمی سطح پر امت محمدیہ مرحومہ کو ہر طرح کی کجی، کجروی اور ذہنی وفکری ضلالت سے بچانے کے لیے اسلامیانِ عالم کے دو مضبوط اداروں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کو بے شمار علماء، صلحاء اور مشائخ وقت کی تائید وتحسین کے ساتھ میدان میں اُتر کر دین وشریعت کی حفاظت اور دعوت وتبلیغ کے نہج ومنہج کی آبرو باقی رکھنے کے لیے عزیمت کا راستہ اختیار کرنا پڑا اور دوسری جانب قدمائے دعوت اور مخلصین تبلیغ کی ایک بڑی تعداد عالمی شوریٰ کے توسط سے یہ عالمی کام اپنے ہاتھوں میں لینا پڑا۔

جامعہ مظاہر علوم سے متعلق اور اس کے مفادات کی نگرانی:

جامعہ مظاہر علوم مولانا مرحوم کی مادر علمی تھی۔ انھوں نے شروع سے آخر تک یہاں تعلیم حاصل کر کے اساتذۂ حدیث شریف سے سندِ حدیث حاصل کی تھی۔

اس کے علاوہ یہ اُن شیخ ومرشد اور مربی واستاذ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی ایک عظیم الشان اور قابل فخر یادگار بھی تھی، اس لیے انھوں نے ہمیشہ اس کے مفادات کا تحفظ کیا اور اس کے خلاف چلنے اور اٹھنے والے فتنوں کا بڑی خاموشی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ وہ چونکہ ایک عظیم القدر باپ کے عظیم المرتبت بیٹے ہونے کی حیثیت سے ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ اس لیے ہر طبقہ کے افراد کا ان کی جانب جھکاؤ بلکہ رجوع رہتا تھا۔ چنانچہ مرحوم ان اشخاص وافراد کے ذریعہ مظاہر علوم کے مشکل مسائل اور معاملات کی گتھیاں سُلجھا لیا کرتے تھے۔

جامعہ مظاہرِ علوم میں جو قضیہ مجلس شوریٰ، سرپرستان کے ٹکراؤ اور مقابلہ سے شروع ہوا تھا اور اس کو وقف ورجسٹریشن کا خوبصورت عنوان دے دیا گیا تھا۔ اس میں مولانا مرحوم نے اپنی شخصیت کا تمام وزن اور اپنے تعلقات کی تمام تر وسعتوں کو جامعہ مظاہر علوم اور اس کی مجلس شوریٰ کے پلڑے میں ڈال دیا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وزن

سے عدل وانصاف کی ترازو کا وہی پلڑا بھاری رہا۔

بستی نظام الدین دہلی میں مقیم جناب الحاج حافظ کرامت اللہ، جناب الحاج حافظ نعمت اللہ اور الحاج سلامت اللہ دہلوی کی جامعہ مظاہر علوم کے حق میں جس قدر اور جتنی بھی خدمات ہیں ان سے کسی بھی وقت انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح جناب ڈاکٹر محسن ولی دہلی کی سرکاری سطح پر پذیرائی اور شناسائی سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے متعدد مواقع کو یہ کاتب سطور کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتا۔ اللہ جلّ شانہ ان سب حضرات کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

ان سب حضرات کی یہ تمام جانفشانی اور کوششیں حضرت جی ثالث کے توسط سے مولانا زبیر الحسن مرحوم کے صدقات جاریہ میں داخل ہیں۔

مولانا مرحوم کو اپنی اس مادر علمی سے آخر حیات تک ایسا تعلق خاطر رہا کہ وہ اس کے لیے ہر وقت مضطرب اور متفکر رہ کر تعاون اور اعانت کی نئی نئی شکلیں اختیار کرتے رہتے تھے، چنانچہ مختلف علاقوں اور صوبوں کے ذمہ دارانِ تبلیغ تک صحیح احوال کی آگہی، وقت وقت پر مجلس شوریٰ کی طرف سے دیے جانے والے پیغامات کو علماء اور خواصِ ملت تک پہنچانا، جامعہ کے لیے اس بے اعتمادی کی فضا میں مالیات کی فراہمی میں اعتماد واعتبار کی بحالی، اراکین مجلس شوریٰ سے روابط یہ سب ان کی شخصیت جلیلہ کے ایسے جلی عنوانات ہیں کہ اس پر بہت سے صفحات لکھے جاسکتے ہیں۔

صاحبزادہ سلمہٗ آج کی طرح اُس وقت بھی اجتماعیت کے مقابلہ میں شخصیت اور اجتماعی نظام کے مقابلہ میں انفرادی نظام کا ساتھ دے رہے تھے اس لیے ان کو مولانا مرحوم کی یہ کوششیں اور کاوشیں بڑی ناگوار گزرتی تھی۔

مرحوم گاہ بگاہ بڑے اہتمام سے مظاہر علوم کے حوالہ سے راقم سطور کی ملاقاتیں اہم شخصیتوں سے بھی کراتے رہتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں جامعہ کو زبردست فوائد اور منافع حاصل ہوتے۔

مظاہر علوم کی الجھنوں اور مشکلات کے دفعیہ کے حوالہ سے مولانا مرحوم کا معاملہ راقم سطور کے ساتھ اچھے اچھوں کی عقل وفہم سے بالاتر تھا۔ جب جب یہ راقم سطور کسی کام سے ان کو کوئی خط بھیجتا تو وہ اس کا نہ صرف بھرپور اہتمام کرتے بلکہ ہر طرح کی تسلّی وتشفّی دیتے ہوئے اپنی تمام کوششیں اس کے حل میں لگا دیا کرتے تھے۔

☆ایک مرتبہ راقم سطور نے مظاہر علوم سہارنپور کے ایک اہم معاملے میں ان کو خط تحریر کیا اور اہمیت کے پیش نظر مولوی قاری عمار الہاشمی کے ذریعہ دستی حضرت نظام الدین دہلی ان کی خدمت میں بھیجا جس پر یکم رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ/۱۴فروری/۱۹۹۴ء میں ان کا جواب موصول ہوا جس میں تحریر کیا تھا کہ:

''رات کو تراویح کے بعد مولوی عمار سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے تمہارا محبت نامہ دیا جس کو پڑھ کر خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔

تم نے جس مقصد سے مولوی عمار کو بھیجا اس پر بہت ہی حیرت اور افسوس اور تعجب ہوا کہ اتنے سے کام کے لیے یہ قدم اٹھایا۔ تمہارا پرچہ ہی ماشاءاللہ سب کچھ ہے۔

آج اتوار نکل آیا۔ کل کو انشاءاللہ کوشش کرتے ہیں، اللہ آسان فرمائے اور خیر فرمائے۔ تمہاری اور مدرسہ کی طرف سے اکثر فکر لگا رہتا ہے۔ طرح طرح کی خبریں سنتے رہتے ہیں۔ اللہ ہی اپنے فضل وکرم سے اپنے امان میں رکھے، ہر طرح کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائے''۔

☆مظاہر علوم کے مفادات اور اس سلسلہ میں راقم سطور سے جذباتی لگاؤ اور احوال پر کڑھن کا دوسرا ثبوت ذیل کا یہ مکتوب ہے۔ جو مولانا مرحوم نے شدید گرمی میں راقم سطور کے اچانک کلکتہ کا سفر پیش آنے پر دہلی اسٹیشن پر دستی بھیجا تھا:

عزیزم مولوی محمد شاہد صاحب

بعد سلام مسنون

کل دوپہر تمہارا ٹیلیفون آیا، اسی وقت تمہاری اہلیہ اور ہمشیرہ کو پہنچا دیا تھا۔ حسب

الحکم تمہارے ٹکٹ اور کھانا ارسال ہے۔

معلوم نہیں تم نے نظام الدین آنے کا پروگرام کیوں نہیں بنایا، سپر فاسٹ بارہ بجے (دہلی) آتی ہے اور ڈیلکس پانچ بجے (دہلی سے) جاتی ہے۔ یہ وقت بجائے اسٹیشن گزارنے کے گھر پر گزار لیتے۔ روزہ میں کمرہ سے باہر بھی نکلنا مشکل ہے، مگر اللہ ہمت وقوت نصیب فرماوے کہ تم روزہ کی حالت میں اتنا لمبا سفر اسٹیشن پر تکلیف میں گزار رہے ہو۔

عبداللہ بن مولوی سلیمان کے ہاتھ تھرماس بھیج رہا ہوں اگر تمہارے پاس تھرماس ہو تو برف کو اپنے تھرماس میں خالی کرلیں اور اگر نہ ہو تو یہی لیتے جانا۔

برائے کرم اس کو واپس لیتے آنا، کسی کو ہدیہ پیش نہ کرنا، الحمد اللہ تمہاری بیوی خیریت سے ہیں۔

معلوم نہیں تمہاری واپسی کب ہوگی اور کہاں سے ہوگی اور کس وقت ہوگی۔

فقط والسلام محمد زبیر الحسن

☆اسی مذکورہ بالا عنوان کی وضاحت میں مرحوم کا تیسرا مکتوب یہ ہے:

عزیز مولوی شاہد سلمہٗ

بعد سلام مسنون! رات حکیم جی تمہارا پرچہ لے کر پہنچے، جس کا مجھے بہت شدّت سے انتظار تھا کیونکہ جب سے میں سہارنپور سے آیا اس کے بعد سے نہ تمہارا فون نہ کوئی خط آیا۔ اتنا تو معلوم ہوگیا تھا کہ تم لکھنؤ چلے گئے۔

ہر وقت تمہارا خیال لگا رہتا ہے۔ تم نے (وقف بورڈ لکھنؤ کے) مقدمہ میں ۱۸ر نومبر تاریخ لگوائی معلوم نہیں اتنی لمبی تاریخ کیوں لی گئی۔ جب وقف بورڈ نے کچی تحریر تم کو دے دی تھی تو ان سے کہہ کر پکی دلوا دیتے، خواہ مخواہ چالیس روز کا بوجھ سر پر رکھا۔

حاجی علاؤ الدین (بمبئی) میرے سہارنپور جانے سے پہلے آئے تھے۔ اُسی

وقت اُن سے بات ہوئی تھی کہ وہ ۱۵؍تاریخ کو دہلی آئیں گے، پرسوں مولانا عمر صاحب بمبئی سے واپس آئے تو میں نے ان سے حاجی علاء الدین صاحب کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا کہ وہ بمبئی سے دیوبند سیدھے جائیں گے اور وہاں کی شوریٰ کے بعد پھر یہاں پر آئیں گے۔ کس دن پہنچیں گے یہ انہیں بھی نہیں معلوم، آگے مجھے بھی کچھ معلوم نہیں کہ ان کا کیا نظام ہے، باقی سب خیریت ہے۔

والدہ صاحبہ خیریت سے ہیں۔ محمد صالح بھی الحمدللہ خیریت سے ہے۔ قبلہ بھائی صاحب، عزیزہ صادقہ راشد سے سلام مسنون۔ بچوں کو دعا پیار۔ والسلام

زبیر الحسن

۲۔ جامعہ مظاہر علوم کے ساتھ ساتھ مولانا مرحوم کو جمعیۃ علماء ہند سے بھی گہرا لگاؤ تھا حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی صدر جمعیۃ سے عشق کی حد تک تعلق رکھتے ہوئے حضرت موصوف کے قومی اور ملّی نیز علمی و دینی کاموں کے بڑے مداح اور معترف تھے۔

کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا کہ ملک بھر میں کہیں بھی ہونے والے جمعیتی اجلاس میں وہ اپنے معتمدین (جیسے عزیزان مولوی محمد طیب قاسمی مولوی محمد قاسم ابناءِ مولانا ریاض احمد بارہ بنکوی، مقیم بستی حضرت نظام الدین دہلی وغیرہ) کو بھیجتے اور وہ مولانا مرحوم کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا مدنی کی تقریر شروع ہوتے ہی اس کا رابطہ اپنے موبائل کے ذریعہ مولانا کے موبائل سے قائم کر دیتے اور مولانا اسی وقت پوری تقریر اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے سن لیا کرتے تھے۔ ملاقاتیں بھی طرفین میں کثرت کے ساتھ ہوتی رہتی تھیں اور اللہ جل شانہ بہت جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مدنی موصوف کو کہ مولانا مرحوم کی وفات کے بعد بھی ان کے فرزندوں سے ربط و تعلق کا یہ تسلسل قائم اور باقی رکھا۔

۳۔ اسی طرح مولانا مرحوم کو راقم سطور کے قائم کردہ قرآنی ادارہ ''مدرسۃ الشیخ محمد زکریا لتحفیظ القرآن الکریم سہارنپور'' سے بھی گہری وابستگی اور دلی ہمدردی تھی۔ وقتاً فوقتاً اس کا مالی تعاون بھی کرتے رہتے تھے۔

یقینی طور پر یہ دنیا کا وہ پہلا اور آخری مدرسہ ہے جس کے سالانہ جلسوں کی تاریخ وہی طے کرتے اور بڑے اہتمام کے ساتھ شروع سے آخر تک اس کی کارروائی میں شریک رہ کر اختتام جلسہ کی دعا کراتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کے پاس مجمع الملک فہد مملکت عربیہ سعودیہ سے شائع ہونے والے قرآن مجید بڑی تعداد میں آئے تو انہوں نے مدرسۃ الشیخ میں یہ کہہ کر جمع کرادیے کہ جلسۂ سالانہ کے موقع پر حفاظ کو میری طرف سے بطور انعام دے دیں۔

مدرسہ کی اس موجودہ توسیع وترقی میں یقیناً اُن کی دعاؤں کا بڑا حصہ ہے۔ رحمہ الله تعالیٰ رحمة واسعة

جیسا کہ اوپر لکھا گیا مولانا مرحوم ہر سال بڑے اہتمام سے اس کے سالانہ جلسہ میں شرکت کیا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ان کی زندگی کا آخری سفر ۲۴/ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ/۳۰ ستمبر ۲۰۱۳ء پیر میں ہوا تھا۔ اس موقعہ پر وہ بذریعہ ٹرین سہارنپور پہنچے اور بڑے پیمانے پر ہونے والے مدرسۃ الشیخ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کر کے جلسہ کی اختتامی دعا کرائی۔

عالم گیر پیچیدہ فتنہ کا حل اکابرین کی نظر میں

۱۔اب بھی میرے نزدیک مسئلہ کا حل یہ ہے کہ اس شوریٰ کو تسلیم کرلیا جائے اور کام کے تقاضے شوریٰ کی اجتماعیت سے پورے کیے جائیں ۔کام کی ترتیب اور نہج کے حوالہ سے پچھلے تین ادوار میں جو طے شدہ امور ہیں ان کو اپنی اصل پر باقی رکھا جائے اور اگر ان میں کسی ترمیم یا اضافہ کی ضرورت ہو تو شوریٰ کی اجتماعیت کے بعد ہی اسے چلایا جائے۔ فی الوقت اجتماعیت کے متاثر ہونے کی سب سے بڑی وجہ نئی ترتیبوں کو شوریٰ اور پرانوں کے مشورہ اور اعتماد کے بغیر چلانا ہے۔

(حضرت مولانا ابراہیم صاحب)

۲۔ دنیا میں کوئی بھی دینی ،تعلیمی یا ملی ادارہ ،امت کا کوئی بھی اجتماعی کام شوریٰ کی سرپرستی ،نگرانی اور رہبری کے بغیر نہیں چل رہا ہے اور نہ چل سکتا ہے ۔امت کے اتنے بڑے کام کو کسی ایک فرد کے حوالے کر دینا اور اس فرد کا اس عالی کام کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا ایک سنگین اور خطرناک صورت حال ہے ۔کوئی بھی فرد اپنی فطری کمزوریوں اور نفس کی آلائشوں سے مبرا نہیں ہے۔(وما ابری نفسی ان النفس لامارة بالسوء)غالبًا اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا الیاس صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ آئندہ یہ کام ایک شوریٰ کی نگرانی میں چلے گا۔

(حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب)

۳۔ہم کسی بھی اہل حق کی نہ تردید کریں ،نہ تنقید ،نہ تنقیص ،نہ تنکیر ،نہ تکفیر ،نہ تحقیر اور کام میں جدت کو بھول جاویں ۔مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر یہ کام اصولوں سے کیا گیا تو صدیوں کی خیر دنوں میں آئے گی اور اگر اصول سے ہٹ کر کیا گیا تو صدیوں کے فتنے دنوں میں آئیں گے ۔ہمیں اپنا محاسبہ کرنا

چاہیے کہ ہم سے کیا چوک ہوئی ہے اورآئندہ اس سے احتیاط کرنی چاہیے ۔(حضرت مولاناطلحہ صاحب سہارنپوری)

۴۔ان حالات میں کوئی یہ نہ سمجھے کہ دعوت والی محنت کی افادیت ختم ہوگئی ، بلکہ آج بھی اس میں افادیت کی وہی تاثیر موجود ہے جو پہلے تھی صرف اس کو صحیح بنیادوں کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے ۔جیسے کوئی قرآن کریم کو غلط پڑھنے والے کا قصور ہے ۔نفس قرآن میں ہدایت کی تاثیر ہر حال میں موجود ہے ۔(مولاناحکیم عبدالرشید قاسمی صاحب)۔

حبیب بکڈپو

نوراپارٹمنٹ، پہاسوہاؤس، علی گڑھ

قرآن پاک، رحل، دینی، اصلاحی، طبی، درسی وغیر درسی کتابوں کا مرکز

ہمارے یہاں اسٹیشنریز کا سامان اور مسواک، عطر، ٹوپی،

برقعے، اسکارف، تسبیح وغیرہ مناسب قیمت پر دستیاب ہیں

Habib Book Depot

Noor Apartment,Pahasu House, Aligarh

Quraan, Islamic & Tibbi Books,
Stationeries, Scarf, Naqab, Cap, Itr,
Miswak & Tasbeeh etc.
Mob. No. 8791196492, 9068093584